عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ
ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد:۳۶ | ۲۵ محرم تا یکم صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۷ء | شمارہ:۳۹

دینِ اسلام کے اساسی و آفاقی تصوّرات

روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کیوں؟

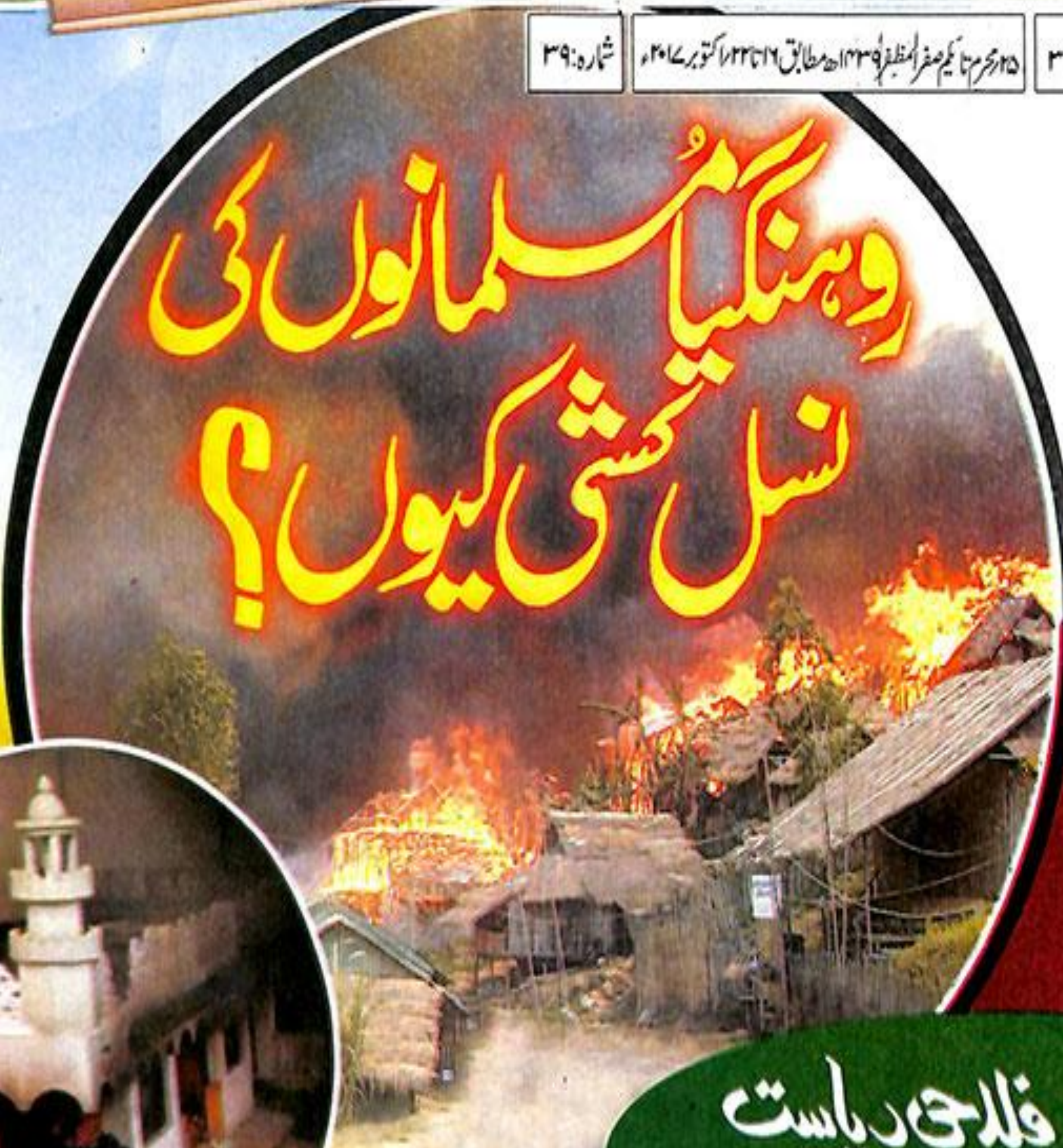

فلاحی ریاست کا تصوّر

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Email: editorkn@yahoo.com

طلاق کی عدت

س:......"عدت" کی شرعی صورت کیا ہوگی؟

ج:...... طلاق کی عدت کی مدت تین ماہواری کا گزرنا ہے، بشرطیکہ عورت حاملہ نہ ہو اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء۔"

(البقرہ:۲۲۸)

"واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن"

(الطلاق:۴)

س:......خاوند پر نان نفقہ کی کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، شرعی طور سے، قانونی واخلاقی اعتبار سے؟

ج:......بصورت مسؤلہ طلاق دہندہ (سائل) پر شرعاً اپنی وسعت کے مطابق اپنی مطلقہ کو نان نفقہ دینا لازم ہے۔ "واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنیٰ فی عدتها رجعیاً کان او بائناً۔"

(ہدایہ کتاب الطلاق باب النفقہ، ص:۴۲۳/۲ طبع ملتان)

س:......"حق مہر" میں نکاح نامے پر زیور لکھا گیا تھا جو اس وقت ہی بیوی کو ادا کر دیا گیا تھا، لیکن کچھ عرصے بعد بیوی نے ضرورت کے تحت خاوند کی خواہش کے برخلاف وہ "زیور" خاوند کو دیا بصد اصرار اور وہ "زیور" بیچ کر اس وقت (مکان کی مد میں) ضرورت پوری کی گئی۔ تو کیا خاوند اب وہ "حق مہر" کا زیور دوبارہ دینے کا پابند ہے یا نہیں؟ جبکہ جس وقت زیور دیا گیا، اس میں واپسی کا کوئی وعدہ لیا گیا نہ ہی خاوند کی جانب سے کیا گیا؟

ج:...... بظاہر اس کی حیثیت احسان کی ہے اور اس صورت میں ظاہر ہے، شوہر یہ رقم واپس دینے کا شرعاً پابند نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس (مطلقہ) سے پوچھ لیا جائے کہ رقم دیتے وقت اس کی نیت کیا تھی؟ اور اس کے بعد اس پر حتمی رائے معلوم کر لی جائے۔

س:......عورت اب اپنی عدت ناگزیر وجوہات کے سبب خاوند کے گھر میں ہی گزارنا چاہتی ہے۔ شرعاً اس میں کوئی ممانعت تو نہیں؟

ج:......واضح رہے کہ مطلقہ عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ عدت کے دن شوہر کے گھر پر گزارے، بشرطیکہ گزشتہ تعلقات کی یاد تازہ ہو کر فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اس دوران مطلقہ کے نان نفقہ کی ذمہ داری بھی طلاق دہندہ پر ہوتی ہے۔ باقی نان نفقہ ضروریاتِ روزمرہ کی صورت میں بھی دینا جائز ہے اور نقد رقم کی صورت میں بھی دونوں صورتوں میں جس صورت پر بھی اتفاق ہو سکے عمل درآمد کرنا جائز اور درست ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"وعلى المعتدة ان تعتد فی منزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقه والموت لقول اللّٰه تعالٰی ولا تخرجوهن من بیوتهن الخ."

(الہدایہ، ص:۴۲۸/۲، وہکذیٰ فی اللباب فی شرح الکتاب، ص:۲۵/۲ کتاب العدۃ)

واللّٰه اعلم بالصواب

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

مجلسِ ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، صاحبزادہ مولانا عزیز احمد،
علامہ احمد میاں حمادی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی،
مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۳۶ — ۲۵ محرم الحرام تا یکم صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۷ء — شمارہ:۳۹

سرپرست

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ

حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کیوں؟	۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
برما کے روہنگیا مسلمان!......	۹	مولانا عزیز الرحمٰن مدظلہ
دین اسلام کے اساسی و آفاقی تصورات	۱۲	عبدالمتین
حاجی عمر دین کی وفات	۱۶	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
فلاحی ریاست کا تصور......	۱۷	مفتی منیب الرحمٰن
تجارت اور سیرت نبوی (۲)	۱۹	مولانا زاہد الراشدی مدظلہ
تحفظ ختم نبوت سیمینار	۲۱	. . . .
رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام (۴)	۲۳	حافظ عبید اللہ
معتمد و غیر معتمد تفاسیر (۲۴)	۲۵	مولانا فضل محمد یوسف زئی
رانا تاج احمد نون کی رحلت	۲۷	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرِ تعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019
AALMIMAJLISTAHAFFUZKHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

لندن آفس:
35.Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — طابع: سید شاہد حسین — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

سحبان الہند حضرت مولانا
احمد سعید دہلویؒ

تلاوت قرآن کی فضیلت

حدیث قدسی ۱۳: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور سورۂ آل عمران کی دو آیتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے لٹکی ہوئی عرض کرتی ہیں آپ نے ہم کو اپنی زمین کی طرف اتارا ہے اور ان لوگوں کی طرف اتارا ہے جو آپ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں میرا وہ بندہ جو تم کو ہر نماز کے بعد پڑھ لیا کرے گا خواہ جس حال میں بھی وہ ہو جنت میں بناؤں گا اور اس کو خطیرۃ القدس میں ٹھہراؤں گا اور اس کو ہر دن میں ستر مرتبہ نظر رحمت سے نوازوں گا اور ہر روز اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا ادنیٰ درجہ کی حاجت ان حاجتوں میں مغفرت ہوگی اور اس کو ہر دشمن سے پناہ دوں گا اور اس کے دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد کروں گا۔ (ابن السنی) آل عمران کی دو آیتوں میں سے ایک آیت تو "شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو" کی ہے اور دوسری آیت: "قل اللھم مالک الملک" کی ہے۔ ستر حاجتوں میں سے کم درجہ کی حاجت مغفرت ہوگی، اُخروی حاجتیں مغفرت کے علاوہ ہوں گی جنت میں ٹھکانہ دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے سامنے لٹکی ہوئی یعنی خدا تعالیٰ کے روبرو معلق ہیں اور اسی حالت میں عرض کرتی ہیں۔

حدیث قدسی ۱۴: حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ کے واسطے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کو قیامت کے دن ایک انسان کی شکل عطا کی جائے گی پس ایک شخص لایا جائے گا جس نے باوجود حافظ قرآن ہونے کے قرآن کی مخالفت کی ہوگی، پس اس کے مقابلہ میں یہ قرآن جو انسان کی شکل میں ہوگا بحیثیت مدعی کے کھڑا ہوگا اور عرض کرے گا میرا اٹھانے والا بہت ہی بُرا ہے میری حدود سے اس نے تجاوز کیا میرے فرائض کو ضائع کر دیا جن کو میں نے معصیت قرار دیا تھا یہ ان کو بجا لایا اور جن کو میں نے اطاعت اور نیکی کہا تھا ان کو اس نے ترک کر دیا، پس یہ اسی قسم کی دلیلیں پیش کرتا رہے گا، یہاں تک کہ کہا جائے گا اچھا جو تیری شان اور تیرا حال ہو پس وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گا، جب تک اس کو اوندھے منہ آگ میں نہ ڈال دے گا اس کا ہاتھ نہیں چھوڑے گا اسی طرح ایک اور شخص لایا جائے گا جس نے قرآن کو یاد کیا ہوگا اور اس کے احکام کی حفاظت کی ہوگی اس کے سامنے بھی یہ قرآن جو انسانی شکل میں ہوگا آئے گا اور اس کی حمایت کرتا رہے گا اور کہے گا اس نے مجھ کو حفظ کیا میری حدود کا خیال رکھا اور میرے فرائض کو بجا لایا میری نافرمانی سے اس نے پرہیز کیا یہ برابر اس کی حمایت میں دلائل پیش کرتا رہے گا، یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ اچھا جو تیری شان ہو پس قرآن اس کا ہاتھ پکڑ لے گا اور جب تک اس کو اچھے لباس سے آراستہ نہ کر لے گا اور شراب طہور سے سیراب نہ کر دے گا اس کا ہاتھ نہیں چھوڑے گا۔ (ابن ابی شیبہ)

نماز

س:...... فرض عین کسے کہتے ہیں؟

ج:...... نمازیں ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد و عورت پر چاہے وہ مقیم ہو یا مسافر، مصروف ہو یا فارغ، بیمار ہو یا تندرست، بالغ ہونے کے بعد سے لے کر ہوش و حواس کے تمام لمحات میں موت کی آخری گھڑی تک ادا کرتے رہنا ضروری ہے، بعض مسلمان مقیم اور فارغ ہونے کے باوجود نماز پڑھتے ہی نہیں، بعض موڈ ہوتا ہے تو پڑھ لیتے ہیں ورنہ نہیں پڑھتے، بعض وقت نہ ملنے کا بہانہ بنا کر نماز چھوڑے ہوئے ہیں، بعض نمازی سفر کی حالت میں قضا کر لیتے ہیں، بعض بیماری کو عذر شرعی سمجھ کر نمازیں چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ المیہ یہ بھی ہے کہ پکا نمازی بھی مرض الموت میں ہوش و حواس کے باوجود نماز کی زحمت (تکلیف) نہیں اٹھاتا یوں عمر بھر کا نمازی آخری عمر میں بے نماز ہو کر مرتا ہے۔ واضح رہے کہ حالات کے بدلنے سے شریعت نے خود اپنے حکم میں لچک پیدا کی ہے، مگر نماز معاف نہیں فرمائی ہے، مثلاً مسافر کو قصر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، بیمار کے لئے نماز کی ادائیگی میں ترتیب وار رعایت دی ہے کہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، لیٹ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشاروں سے پڑھے، کھڑے نہ ہو سکنے والے، زمین پہ نہ بیٹھ سکنے والے، سجدہ نہ کر سکنے والے، معذور کو کرسی کی اجازت دی ہے وغیرہ۔ نماز تو بس اُسے معاف ہے جو اشاروں سے بھی نہیں پڑھ پاتا یا جس پر مسلسل بے ہوشی کی حالت میں چھ نمازوں کے مکمل اوقات گزر جائیں تو ان گزرے اوقات میں آنے والی نمازیں ہی معاف ہوں گی یا جو عورت ہر مہینے ایک خاص حالت (حیض) میں مبتلا ہوتی ہے یا زچگی (بچے کی پیدائش) کے بعد ایک خاص حالت (نفاس) میں رہتی ہے اس کو ان ایام کی بھی نمازیں معاف ہیں (اس کے علاوہ کے تمام معذوروں کو ان کے اعذار کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کا تاکیدی حکم ہے)۔

س:...... فرض کفایہ کا کیا مطلب ہے اور کون سی نماز فرض کفایہ ہے؟

ج:...... فرض کفایہ ایسے فرض کو کہتے ہیں جس پر عمل کرنا ایسا ضروری ہو کہ علاقے کے کچھ لوگ (چاہے ایک ہی ہو) اس پر عمل کر لیں تو علاقے کے تمام لوگوں کی طرف سے کافی ہو جائے (اگر کوئی ایک آدمی بھی عمل نہ کرے تو علاقے کے تمام لوگ گناہگار ہوں گے) نمازوں میں فرض کفایہ نماز جنازہ ہے جو بغیر رکوع، سجدہ اور قعدے والی نماز ہے (نماز جنازہ کی تفصیلات آگے آرہی ہیں)۔

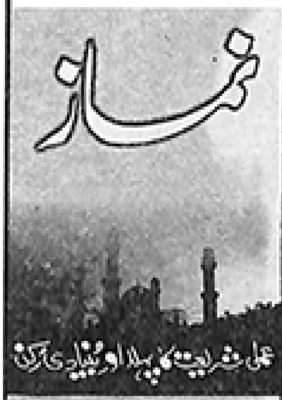

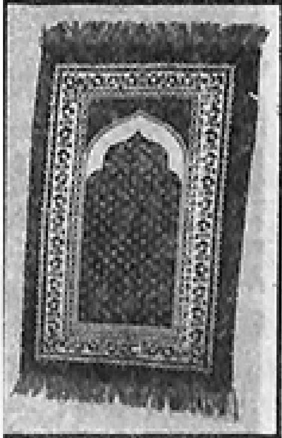

حضرت مولانا
مفتی محمد نعیم دامت برکاتہم

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کیوں؟

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

مغربی استعمار اور اس کے ہمنوا ایک عرصہ سے مسلم ممالک میں انتشار، خلفشار اور نقضِ امن کی صورت حال پیدا کرکے انہیں عدم استحکام سے دوچار کرنے کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ افغانستان، عراق، لیبیا، تیونس، الجزائر، یمن اور شام جیسے ممالک ان کی واضح مثالیں ہیں، بلکہ اب تو یوں لگتا ہے کہ اس کی لڑائی صرف مسلم ممالک تک محدود نہیں، بلکہ جہاں بھی مسلمان رہتے ہیں اور اس خطہ سے استعمار کے مفادات وابستہ ہیں تو وہاں بھی وہ مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر، انہیں زندہ جلا کر اور ان کی بستیوں کو خاکستر کرا کر مسلمانوں کو وہاں سے بے دخل کر رہا ہے۔

برما حکومت بظاہر بدھسٹ مذہب کی پیروکار ہے اور اس کے مذہب میں انسانی قتل تو دور کی بات ہے، بلکہ کسی ذی روح جاندار کو مارنا بھی ظلم سمجھا جاتا ہے، لیکن آج وہاں کی افواج اور بدھ مت کے پیروکار شدت پسند روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ فورسز کی جانب سے برمی مسلمانوں کے سر قلم کیے جارہے ہیں، اُن کے اعضاء کاٹ کر اور انہیں اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اُتارا جارہا ہے، زندہ انسانوں پر پٹرول چھڑک کر انہیں آگ کے منہ میں ڈالا جاتا ہے اور ان کی لاشوں کو جلا کر راکھ کیا جارہا ہے۔ یہ صرف اب مسلمانوں کا مسئلہ نہیں رہا، بلکہ انسانیت کی تذلیل کی بدترین مثال دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

ابتداءً الیکٹرانک میڈیا خاموش تماشائی بنا ہوا تھا، لیکن جب روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں پر ظلم و بربریت، ان کے قتل اور ان کے جلانے کی تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر آنے لگیں تو ان کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا کچھ کچھ احساس ہونے لگا اور اس میڈیا کی چھلنی سے چھن چھنا کر جو خبریں باہر آرہی ہیں اُن کے پڑھنے اور سننے سے ہی ایک نارمل انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

برطانوی میڈیا کے مطابق ”مقامی افواج اور شدت پسندوں نے مسلمانوں کے قتل عام کے بعد شواہد مٹانے کے لئے لاشوں کو جلانا شروع کردیا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف تشدد کی نگرانی کرنے والے ایک گروپ کے وکیل ”کریں لیوا“ کے مطابق رتھیڈونگ کے ایک علاقے میں ۱۳۰ مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ تین دیگر دیہاتوں میں بھی درجنوں افراد کو قتل کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ سیکورٹی فورسز مسلمان اکثریتی دیہاتوں کو گھیرے میں لے کر انہیں اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنارہی ہیں، جب کہ ان سفاکانہ کارروائیوں میں بدھ مت کے شدت پسند اُن کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔“

اس ظلم وستم، قتل وقتال اور آگ وبارود سے بچ کر جو لوگ وہاں سے نکلنے میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں تو قریب ترین اسلامی ملک بنگلہ دیش میں پناہ کی تلاش میں آتے ہیں تو آسانی سے ان کو بنگلہ دیش میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ترکی کے موجودہ صدر جناب طیب اردگان کو جنہوں نے امت مسلمہ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کرتے ہوئے واضح انداز میں بنگلہ دیش کو کہا ہے کہ آپ انہیں اپنے ملک میں پناہ لینے دیں، ان کے تمام اخراجات ترکی حکومت برداشت کرے گی۔ مزید یہ کہ ان مظلوم مسلمانوں کی اشک شوئی اور انہیں حوصلہ دینے کے لئے اپنی اہلیہ کو بھی امدادی ٹیم کے ساتھ روانہ کیا۔ اس پر انہیں جتنا بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے، کم ہے۔

الحمدللہ! ادھر پاکستانی حکومت اور عوام نے بھی ہر سطح پر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینیٹ میں بھی ان روہنگیا مظلوم

مسلمانوں کے حق میں قراردادیں پاس کی گئی ہیں اور برما حکومت کی فورسز اور شدت پسندوں کے ان مظالم کی مذمت کی گئی ہے۔ قومی اسمبلی میں برما کے ان مظلوم مسلمانوں کے حق میں سب سے مؤثر اور توانا آواز جمعیت علمائے اسلام کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بلند کی ہے، آپ نے قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”جناب اسپیکر! آج پوری قوم کے لئے اور ہمارے اس ایوان کے لئے نہایت اہم دن بھی ہے اور ایسے وقت میں جبکہ برما میں صوبہ اراکان کے روہنگیائی مسلمانوں پر ایک آزمائش ٹوٹ پڑی ہے، مجھے یاد ہے کہ پانچ سال قبل اسی ایوان میں میں نے ایوان کو متوجہ کیا تھا، اس وقت ملک میں مکمل خاموشی تھی اور کسی سطح پر وہاں کے مظالم کا نوٹس نہیں لیا جارہا تھا، آج بہرحال اس حد تک تو بات قابل اطمینان ہے کہ پورے ملک میں ہر سطح پر ہر شعبۂ زندگی سے وابستہ لوگ روہنگیائی اراکانی مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ ان کا ہمارے اوپر حق بھی ہے۔

پوری امت مسلمہ آزمائش سے گزر رہی ہے۔ نائن الیون سے لے کر آج تک افغانستان، عراق، لیبیا، شام، صومالیہ، مالی، یمن اور پاکستان اور اس کے بعد اب میانمار کی صورت میں جہاں جہاں مسلمان ہیں، وہاں وہاں آگ برس رہی ہے اور امت مسلمہ ہے جو خون کے دریا عبور کر رہی ہے۔

جناب اسپیکر! سب کے جذبات یکساں ہیں، میں جو ابھی اسمبلی کے اجلاس میں آرہا تھا تو مجھے اپنے ساتھی جناب سینیٹر طلحہ محمود صاحب کا وائس میسج ملا جو ”کاکس بازار“ تک پہنچے ہیں اور اس سے آگے بنگلہ دیش کی سرحد پر جو پناہ گزین پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے وہاں کی حالت زار کا جو نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچا، یقین جانئے کہ وہ زبان پر لانے کے قابل نہیں ہے۔ لاکھوں لوگ اس وقت بے گھر ہو چکے ہیں، دیہاتوں کے دیہات جلا دیئے گئے ہیں۔ خواتین، بچے ان کے جسموں کو جس طرح درختوں کے ساتھ لٹکایا گیا ہے، ان کے اعضاء جس طرح کاٹے گئے ہیں، یقین جانئے کہ دنیا میں مسائل پیدا ہوتے ہیں، ہر ملک کے اندر کے مسائل کے کچھ عوامل بھی ہوا کرتے ہیں، لیکن آج بہرحال برما کے مظالم کا نقشہ انسانیت کا مسئلہ بن گیا ہے، انسانی حق کا مسئلہ بن گیا ہے اور اس طرح انسانیت کی تذلیل ہو رہی ہے، جس طرح انسانیت وہاں رسوا ہو رہی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اگر آج یہاں کوئی ایک واقعہ ہو جائے تو ہمارا میڈیا بھی آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے، پورا یورپ بھی آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے، پورا امریکہ بھی آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے میں ایک لمحہ ضائع نہیں کرتے، اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنا، ان کی غلط تصویر پیش کرنے کے لئے ایک واقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں، آج وہاں لاکھوں انسان دربدر ہیں، ہزارہا انسانوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں، ہماری ماؤں، بہنوں، خواتین کی عصمت دری ہو رہی ہے، سرعام ان کو کلہاڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے، خون دریا بن چکا ہے اور دریائے ناف کو عبور کر کے جب پہاڑوں میں آتے ہیں تو پہاڑوں میں وہاں ان کے کھانے کے لئے صرف درختوں کے پتے ہوتے ہیں، بڑے تو پتے کھا لیتے ہیں لیکن ان کے بچے بلک بلک کر ان کی آنکھوں کے سامنے مر جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں کہاں گئی وہ انسانیت؟ کہاں گئے وہ انسانی حقوق کے علمبردار؟ کس بل میں جا کر گھس گئے ہیں یہ لوگ؟ کیوں ان کی زبانیں آج گنگ ہو گئی ہیں؟ کیوں آج ان کو یہ انسانیت نظر نہیں آرہی ہے؟

میں ایوان کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں جناب اسپیکر! کہ برما کے اراکان صوبہ کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے اور آج جس حالت میں وہ ہیں، برما کی حکومت نے باقاعدہ ایک قانون کے ذریعہ پورے صوبہ کے مسلمانوں کی شہریت ختم کر دی ہے، اور اس وقت اراکان کی تمام آبادی جو بارہ لاکھ تک پہنچتی ہے، وہ اسٹیٹ لیس ہیں۔ اس طرح بے سہارا کوئی نہیں۔ ایک پورے صوبہ کو اور صوبہ کی پوری آبادی کی شہریت ختم کر دی گئی ہے۔ پورا صوبہ اس وقت اس کا کوئی ملک نہیں ہے اور نہ ان کی فوج ہے کہ آج ان انسانوں کو جن کو وہ برما کا شہری تسلیم نہیں کرتے، ان کو تہہ تیغ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ نسل ختم کر دی جائے اور اراکان کی زمین پر قبضہ کر لیا جائے۔ کتنی افسوس ناک صورت حال ہے! کیا کوئی نوٹس لے رہا ہے اس بات کا؟ کیا کسی کو اس بات کا احساس ہے؟

میں سمجھتا ہوں ہم دنیا کو بعد میں پکاریں، ہم اپنے ملک کو پکاریں، ہم اپنی حکومت کو پکارتے ہیں، ہم اپنے ارباب اقتدار کو پکارتے ہیں، اپنی پارلیمنٹ کو پکارتے ہیں، اپنی مقتدر قوتوں کو پکارتے ہیں کہ آئیں! خدا کے لئے! آپ ہماری آواز بن جائیں، آپ ۲۱ کروڑ یا ۲۲ کروڑ پاکستانیوں کی آواز بن جائیں۔ میں آج یہ بات اپنے اس وطن عزیز سے کر رہا ہوں، اس مملکت خداداد سے کر رہا ہوں جس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ اگر ہندو کے مظالم کے نتیجہ میں پاکستان کا

ٹکڑا حاصل کرنا ناگزیر تھا، اسی تصور، اسی نظریہ، اسی اصول کی بنیاد پر برما کے بدھسٹوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی یہ تذلیل‘ کیا وہاں اراکانی مسلمانوں کی آزاد ریاست کا تقاضا نہیں کر رہی؟ ایک مسئلہ ہے یہ۔ اس پر غور کرنا ہوگا ہمیں۔

کیپٹن جی! دہشت گردی کی بات ہے، دہشت گردی تو پاکستان میں بھی رہی ہے، لیکن وہ جنگ عوام کے ساتھ تو نہیں تھی، لوگ اپنے گھروں سے بے گھر ضرور ہوئے، لیکن آئی ڈی پیز کی صورت میں ان کو ایک پاکستان کے شہری کی حیثیت سے محترم تصور کیا گیا۔ ایک حکمت عملی تھی، کسی کو اس سے اختلاف ہوسکتا ہے، بوجوہ مجھے بھی اس پر تحفظات رہے ہیں، لیکن آج وہ گھروں کو واپس جارہے ہیں، صرف دہشت گردوں کو تنہا کرنے کے لئے۔ لیکن وہاں پر اگر شکایت دہشت گردوں سے ہے یا کسی دہشت گرد تنظیم سے ہے، لیکن اس کی سزا پوری قوم کو کیوں دی جارہی ہے؟ پوری کمیونٹی کو کیوں دی جارہی ہے؟ کیا یہ کہیں دنیا میں انصاف کا تقاضا ہے؟

میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ برما کی وزیراعظم آن سنگ سوچی انسانی حقوق کی علم بردار بھی رہی ہے، برما میں انسانی حقوق اور جمہوری حکومت کے قیام کے لئے اس کو اس جدوجہد کے نتیجہ میں نوبل انعام بھی دیا گیا، آج جب وہ ملک کی وزیراعظم بن گئی، اقتدار اس کے ہاتھ میں آ گیا، آج اسی کی حکومت اور اسی کی فوج کے ہاتھوں پورے مسلمانوں کی نسل کشی ہو رہی ہے، انسانیت کا قتل ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ جن عالمی اداروں نے ان کو نوبل انعام دیا تھا، وہ نوبل انعام اس سے چھین لیا جائے اور اس کو اس اعزاز سے محروم کردیا جائے، کیونکہ وہاں جو صورت حال ہے، اس صورتِ حال کے نتیجہ میں وہ اس کی حق دار نہیں ہے کہ وہ اس اعزاز کو مزید برقرار رکھ سکے۔

بنیادی مسئلہ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ اگر سی پیک کی صورت میں پاکستان چین کے اقتصادی ویژن کا پہلا زینہ بنا ہے تو اب پاکستان نشانہ پر ہوگا۔ یہاں سیاسی بحران اب پیدا کیے جائیں گے، عدم استحکام پیدا ہوگا اور عدم استحکام کے لئے آغاز ایک سیاسی بحران سے کرنا چاہے گا۔ مجھے اس سارے مسئلہ میں کرپشن اور نواز شریف کی حکومت کا بچنا اور نہ بچنا‘ نظر نہیں آ رہا، بلکہ مجھے پاکستان ایک بحران کی طرف اور سیاسی عدم استحکام کی طرف جاتا نظر آ رہا ہے۔

آپ نے دیکھا اس فیصلہ کے بعد ٹرمپ نے جو پاکستان کو پیغام بھیجا، اس پیغام سے کیا یہ حقیقت سامنے نہیں آئی کہ وہ اس واقعہ کے بعد پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا چاہتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ نائن الیون میں جہاں ہم جنرل مشرف کے اس فیصلہ کے خلاف تنہا نظر آ رہے تھے، آج ہم تنہا نہیں ہیں، امریکہ کے حوالہ سے پوری قوم کی آواز ایک ہے۔

کسی زمانہ میں اسی ایوان میں‘ میں نے برما کے حوالہ سے تنہا بات کی تھی، آج مجھے خوشی ہے کہ آج ملک کا ہر طبقہ پورا ایوان ایک آواز میں بات کر رہا ہے۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جو سی پیک کی صورت میں موٹروے پاکستان سے گزر رہا ہے، چائنا سے تبت اور بنگلہ دیش کے راستہ سے برما کی طرف بھی منصوبہ ہے اور عرب دنیا میں تیل بعد میں برآمد ہوا، ۱۸۵۳ء میں تیل برما کے اندر نمودار ہوا، اور معدنی وسائل کے سب سے بڑے ذخائر برما کے اندر ہیں اور اگر ون بیلٹ ون روڈ کے فلسفہ کے تحت برما کی طرف روڈ جائیں گے تو وہاں کے حالات آج جس نہج پر پہنچ گئے ہیں‘ صاف نظر آئے گا کہ اس کے پیچھے کسی کا فلسفہ ہوسکتا ہے اور کونسی قوت ہے جو وہاں اس قسم کے حالات پیدا کرنا چاہتی ہے۔ ہم خود اس سے دوچار ہیں تو بہتر طور پر تجزیہ کرنے کی ہمارے اندر صلاحیت ہے کہ دنیا کو کہاں لے جایا جارہا ہے اور اس میں نشانہ صرف مسلمانوں کو بنایا جارہا ہے، تو اس پہلو کو بھی ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ برما کے ساتھ چائنا کے بھی بہت اچھے تعلقات ہیں، چائنا گورنمنٹ کے ساتھ، برما کے ساتھ پاکستان کے بھی ملٹری ریلیشن بہت اچھے رہے ہیں اور ہیں۔ ہم خطہ میں اس تعلق کو اپنے مسلمان بھائیوں کے مفاد میں کیسے استعمال کرسکتے ہیں؟ اس کے لئے ہماری اسٹریٹجک پالیسی کیا ہونی چاہیے؟ اس کے لئے ہماری ڈپلومیٹک پالیسی کیا ہونی چاہیے؟ اس حوالہ سے پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنا کردار ادا کریں، ہماری آواز ہونی چاہیے۔

آج بنگلہ دیش بے گھر لوگوں کو بے وطن لوگوں کو راستہ نہیں دے رہا ہے۔ پہاڑوں میں، صحراؤں میں پڑے ہیں، خیمہ تک نہیں ہے وہاں پر، کیا ہماری حکومت اس پوزیشن میں نہیں کہ کم از کم اس موسم میں جو وہاں بارش برس رہی ہو اور کھلے آسمان تلے بچے بلک رہے ہوں، ان تک ہم کوئی سایہ نہیں پہنچا سکتے؟ کوئی سائبان نہیں پہنچا سکتے؟ کیا ہم وہاں ان کے لئے کھانے کا انتظام نہیں کرسکتے؟ مجھے جو پیغام آ رہا ہے‘ وہ یہ ہے کہ: بنگلہ دیش کی حکومت بھی وہاں کسی خیراتی اور رفاہی ادارہ کو کام

کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے، مشکلات پیدا ہورہی ہیں، اس حوالہ سے پاکستان کو بطور ایک اسٹیٹ کے، خطہ کے ایک اہم کردار کے اپنا ایک کردار ادا کرنا ہوگا۔ اور پارلیمنٹ آج اپنی حکومت سے ذرا زور دے کر یہ کہے، تا کہ ہم کل سے اس پر اپنا کام شروع کریں اور ہم رابطے بڑھائیں اور بین الاقوامی سطح پر ہم ہر فورم پر اپنی آواز کو بلند کریں۔

او آئی سی کا اجلاس ہو چکا ہے۔ او آئی سی سے کوئی خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ او آئی سی خود آئی سی یو میں ہے۔ ہمیں اردگان کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اردگان نے کہا ہے کہ بنگلہ دیش والو! اگر تمہارے اوپر بوجھ ہے تو تمام اخراجات ہم برداشت کریں گے۔ اردگان کی اہلیہ پہنچ چکی ہے وہاں پر۔ جو ہمارا حق تھا' وہ کوئی اور ادا کر رہا ہے۔ جو ہم نے کرنا تھا' وہ کوئی اور کر رہا ہے، تو ان حالات میں ہمیں سوچ سمجھ کر اپنے اقدامات کی طرف جانا ہوگا۔

....

ہم کسی ملک کے داخلی معاملات کی بات نہیں کر رہے، لیکن یہ بات ضرور کر رہے ہیں کہ جب انسانیت کا قتل عام ہوگا، پوری دنیا میں اس پر ایک تشویش ہونی چاہیے، ایک اضطراب ہونا چاہیے، ایک ہیجان ہونا چاہیے، اس پر ایک گفتگو ہونی چاہیے۔

تو یہ میری کچھ گزارشات ہیں کہ اس حوالہ سے ایک گفتگو کے بعد ایک جامع اور مضبوط قسم کی قرارداد ہو، یہ نہ ہو کہ بس نشستند، گفتند و برخاستند اور بس ایک روٹین کی قرارداد پاس کی، نہیں! حکومت کو پابند کرنا ہوگا کہ وہ فوری اقدامات کرے اور آج سے نہیں تو کل سے اس کے اقدامات کا آغاز ہو جانا چاہیے۔ اسٹریٹجک لیول پر بھی اور سفارتی لیول پر بھی اور انسانیت کی بنیاد پر وہاں تک امداد پہنچانے کے لئے فوری اقدامات کی ہمیں ضرورت ہوگی۔ عالمی اداروں کو ہمیں جھنجھوڑنا ہوگا، ان کو بیدار کرنا ہوگا اور ان کے مرے ہوئے احساس کو اجاگر کرنا ہوگا۔ عالمی ضمیر جو اس وقت نیند میں خراٹے مار رہا ہے' اس کو جگانا ہوگا۔ یہ کردار پاکستان نے ادا کرنا ہے، ان شاء اللہ! قوم سڑکوں پر ہے، قوم بول رہی ہے، اس وقت دنیا کے سو ممالک کا سوشل میڈیا بول رہا ہے، لیکن ہمارا جو الیکٹرانک میڈیا ہے جو ملک کی ریاستی پالیسیوں کے تحت چلتا ہے' وہ ابھی وہ حق ادا نہیں کر رہا ہے اس حوالہ سے۔ اس کو وہ حق ادا کرنا ہوگا! پرنٹ میڈیا کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا! پارلیمنٹ کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا! میرے خیال میں یہ حساس مسئلہ ہے اور اس حساس مسئلہ پر کوئی اختلاف رائے نہیں ہے، لیکن جاندار گفتگو ہونی چاہیے اور جاندار طریقہ سے ہمیں اپنے اقدامات کو آگے لے جانا چاہیے۔ اللہ کرے کہ ہم ایک مضبوط قسم کے اقدامات کا فیصلہ کرسکیں اور آنے والے مستقبل کو، اپنے مستقبل کو بھی محفوظ کرنا ہے اور عالم اسلام کے دوسرے مظلوم مسلمانوں اور بالخصوص اس وقت جو روہنگیا اراکان کے مسلمان ہیں' ان کو بھی تحفظ دینا ہے۔ اس کے بغیر شاید ہم مسلمان ہونے اور اپنے عقیدے اور اسلام کا حق ادا نہیں کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔''

بالکل بجا فرمایا کہ: آج روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں ''انسانی حقوق'' کے نام نہاد اداروں کی آوازیں گنگ ہیں، انہیں نہ یہاں دہشت گردی نظر آتی ہے، نہ شدت پسندی نظر آتی ہے اور نہ ہی انسانیت کا کوئی مسئلہ نظر آرہا ہے، اس لئے کہ مرنے والے مسلمان ہیں۔ اگر مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کا مسئلہ ہوتا تو فوراً اقوام متحدہ بھی اور دوسرے تمام ادارے متحرک ہو جاتے اور انہیں آزاد ملک اور آزاد وطن دلانے کے علاوہ کسی قیمت پر راضی نہ ہوتے۔ یہ ہے ان اداروں کا دوہرا معیار!

دوسری بات جو مولانا نے فرمائی کہ: اب خدانخواستہ ہمارے پیارے ملک پاکستان کی طرف ان کی گندی نظریں لگی ہوئی ہیں، حالیہ حکومتی عدم استحکام اور بظاہر اداروں کے ٹکراؤ کا تاثر پیدا کیا جانا اس پالیسی کا حصہ ہی نظر آتا ہے۔ اس صورت حال میں چاہے وہ مذہبی جماعتیں ہوں یا سیاسی جماعتیں، صاحبانِ اقتدار ہوں یا عوام الناس، ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری اور فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے ملک پاکستان کی حفاظت اور استحکام کے لئے شش جہت اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور اپنی صفوں میں کسی ایسے آدمی کو نہ گھسنے دیں جو دشمن کا آلۂ کار بن کر پاکستان کے لئے نقصان کا باعث بنے۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ آج اگر پاکستان میں امن اور استحکام ہے تو یہ امن اور استحکام کافی قربانیوں کے بعد ہم سب کو حاصل ہوا ہے اور دشمن نہیں چاہتا کہ پاکستان میں امن اور استحکام ہو، اس کی کوشش ہوگی کہ کسی طرح ان کے اندر فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے دوبارہ شروع ہوں۔ بہرحال جس استعمار کو اپنے مفادات کے لئے مسلمانوں کا خون پینے اور بہانے کا چسکا لگ چکا ہے، اس سے ہر وقت محتاط اور ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

برما کے روہنگیا مسلمان

درندگی اور نسل کشی کے عذاب میں!

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مدظلہ، استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

"برما" جو اب میانمار کہلاتا ہے، ایشیا کا زرخیز ملک ہے جس کی سرحدیں تھائی لینڈ، ملائیشیا، بنگلہ دیش کے علاوہ چاینا سے بھی ملتی ہیں، بعض رپورٹوں کے مطابق اس کی آبادی 60 ملین سے زیادہ ہے جس میں 75 فیصد کا تعلق بدھ مت کے مذہب سے ہے جبکہ 22 فیصد مسلمان اور 3 فیصد دیگر اقلیات ہیں۔ ارکان برما کا صوبہ ہے جس کا نیا نام راکھائین ہے۔ اس میں مسلمان صدیوں سے آباد ہیں اور روہنگیا کہلاتے ہیں، ان کی زبان رنگون کی زبان سے مختلف ہے، یہاں ایک عرصے تک مسلمان حکمران رہے ہیں، کہا جاتا ہے کہ نامور مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے برادر خورد، شجاع کی بھی یہاں حکومت رہی ہے، اراکان (برما) اور چٹاگانگ (بنگلہ دیش) کے درمیان دریائے ناف بہتا ہے جو دونوں کے درمیان حد فاصل ہے۔ اور تجارت ومواصلات کا ذریعہ بھی یہی دریا ہے۔

برما اور مسلمانان برما سے متعلق "دائرہ معارف اسلامیہ" (تحقیق وطباعت دانشگاہ پنجاب) کے مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور دیگر مآخذ کے حوالے سے رقم طراز ہے:

"برما، یہ ملک پہلی بار اراکان کے بادشاہ کرامیہ کلا کے ذریعے بڑے پیمانے پر اسلام سے متاثر ہوا، یہ بادشاہ بنگال میں جلاوطنی کے ایام گزار کر اپنے مسلمان پیروؤں کے ساتھ ۱۴۳۰ء میں برما واپس آیا، اُس نے مروحانگ میں اپنا دارالحکومت قائم کیا جہاں مسجد سندی خان تعمیر کی گئی، بعد میں آنے والے اراکانی بادشاہ اگرچہ "بدھ مت" کے پیرو تھے لیکن انہوں نے اسلامی خطابات استعمال کئے بلکہ ایسے تمغے بھی جاری کئے جن پر کلمہ طیبہ کندہ تھا.... برما خاص میں مسلمانوں کی آبادی چند گجراتی تاجروں اور بعض توپچیوں اور دیگر غیر ملکی فنی ماہرین پر مشتمل تھی..... ۱۸۲۶ء میں جب برطانوی حکومت نے اراکان کا اپنی سلطنت سے الحاق کرلیا تو...... ۱۸۸۰ء سے ہندوستانیوں کی برما میں نقل مکانی بڑے پیمانے پر ہونے لگی..... ۱۹۳۰ء سے شروع ہونے والے دس سال، کساد بازاری کے تھے اور مسلمان جو اقتصادیات کے میدان میں دوسروں سے آگے تھے، ایک حد تک لوگوں کا ہدف ملامت بن گئے، مؤخر الذکر فسادات جولائی سے دسمبر تک جاری رہے۔ رنگون اور مانڈلے میں سب سے زیادہ شدید تھے ان میں تقریباً دو سو مسلمان ہلاک ہوئے۔"

(ج:۴، ص:۳۵۰)

اس مختصر مقالے میں شاید مقالہ نگار کو زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکیں، مقالہ جو 48 سال قبل لکھا گیا ہے اس وقت کے لحاظ سے اس میں مسلمانوں کی آبادی 23 لاکھ جبکہ کل آبادی دو کروڑ باون لاکھ چھیاسی ہزار ظاہر کی گئی ہے..... برطانوی راج کے خاتمے پر، ۴/جنوری ۱۹۴۸ء کو یونین آف برما کا قیام عمل میں آیا، برما کے پہلے صدر Saoshwe Thaike نے زمام اقتدار سنبھالی لیکن ۲/مارچ ۱۹۶۲ء میں جنرل نی ون (NEWIN) نے حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کی، یہ فوجی حکومت پچاس سال سے زیادہ دورانیہ پر مشتمل کچھ عرصے پہلے تک بلا شرکت غیرے قائم تھی، رپورٹوں کے مطابق جب سے برما پر فوجی ڈکٹیٹر شپ حکمران رہی، آئے دن شائع ہونے والی خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرپشن اور بدعنوانی اس حکومت کی رگ رگ میں سرایت کرچکی تھی حالانکہ جنوب مشرقی ایشیا کا یہ ملک قدرتی اور معدنی وسائل سے مالا مال ہے، یہاں کی زرخیز زمینیں، جہاں پانی کی بھی فراوانی ہے اور بارشیں بھی بکثرت ہوتی ہیں دنیا کے بڑے حصے کی اجناس کی ضروریات پورا کرسکتی ہیں، لیکن ان زمینوں کی آباد کاری کے سلسلے میں لگتا یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی منصوبہ بندی نہیں ہے اور ملک کا وسیع رقبہ بنجر پڑا ہوا ہے، انڈسٹریز کے میدان میں بھی کوئی خاص پیش رفت نہیں ہے، بازار زیادہ تر چاینا، تھائی لینڈ اور دیگر ممالک کے سامان سے بھرے ہوئے ہیں۔ حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کی دولت پر زیادہ تر حکمران طبقہ قابض ہے جبکہ عوام غربت کی زندگی گزار رہے ہیں، اس ملک کے بہت سے مسلمان باشندے

صنعت وتجارت میں خوشحال تھے، جب ۱۹۶۲ء میں جنرل ''نیون'' کا فوجی انقلاب آیا تو ان کی املاک کو نیشنلائز کر کے ضبط کیا گیا اور خوشحال مسلمانوں کو دربدر پھرنے پر مجبور کیا گیا، برما کے یہ مسلمان صدیوں سے رنگون سمیت ملک کے مختلف صوبہ جات میں آباد تھے ،تاہم خاص طور پر اراکان میں ان کی تعداد دیگر مقامات کی نسبت بہت زیادہ تھی لیکن ان مسلمانوں کو بدھ مت کے پیروکاروں کی طرف سے ہر دور میں انسانیت سوز ظلم وتشدد کا سامنا رہا، ایک طرف مقامی آبادی کی طرف سے تنگ نظری، تعصب اور قتل و غارت گری کا سامنا تھا جبکہ دوسری طرف حکومتی جبر، ظالمانہ و جانبدارانہ قوانین، بنیادی انسانی حقوق کی پامالی اور حملہ آور بدھسٹوں کی طرفداری کے غیر انسانی سلوک سے مسلمان، ناقابل تصور عذاب میں تھے، چنانچہ ان دوطرفہ سنگین حالات کی وجہ سے یہاں کے مسلم باشندے ماضی کے مختلف ادوار میں جانیں بچانے کے لئے در بدر ہوتے رہے ہیں، ان کی مسجدوں کو شہید کرنا، بستیوں کو اجاڑنا، آئے دن بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر بے رحمانہ تشدد کرنا، زندہ جلانا اور نہتے مسلمانوں کے اجتماعی قتل کی ایسی وحشت ناک وارداتیں کرنا کہ درندے بھی شرما جائیں۔

سفاکی اور درندگی کے ان حالات سے اراکان کا علاقہ دیگر صوبہ جات کے مقابلے میں ہمیشہ سے زیادہ متاثر رہا ہے، حکومت کی جکڑ بندی اور سخت گیری کی وجہ سے یہ خطہ ایک ایسا تاریک کنواں ہے کہ نہ برما کے کسی دوسرے خطے کا کوئی آدمی وہاں پَر مار سکتا ہے اور نہ وہاں کے باشندوں کو برما کے کسی اور علاقے میں جانے کی اجازت ہے، اراکان کے مسلمانوں پر جو گزرتی ہے، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نہ سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے اور نہ بلوائیوں کے حملوں کی وجہ سے گھروں اور بستیوں سے اٹھنے والے آگ کے شعلے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ عرصے سے سوشل میڈیا پر بربریت اور درندگی کی جو تصویریں آنے لگی ہیں وہ حقیقی صورتحال کا شاید دس فیصد حصہ بھی نہ ہوں۔

جان ومال اور نسل کشی کے خوف سے یہاں کے مسلمان ماضی کے مختلف ادوار میں امن اور پناہ کی تلاش میں ہجرت پر مجبور ہوتے رہے ہے، تقریباً ایک صدی پہلے بھی بہت سے خاندان اپنی جان وایمان کی

> **برما کے جو مسلمان یورپ، امریکا اور دیگر ممالک میں مقیم ہیں وہ مؤثر منصوبہ بندی کر کے عالمی اداروں تک اپنی آواز پہنچائیں اور ماضی وحال کے ظالمانہ، سفاکانہ، انسانیت سوز حالات و واقعات سے دنیا والوں کو جھنجوڑ کر، حکومت برما اور وحشی بدھسٹوں کا مکروہ چہرہ دنیا کو دکھایا جائے**

حفاظت کی خاطر، دور دراز سفر و مسافت کی بے پناہ مشقت جھیل کر حجاز مقدس بھی پہنچے، کچھ لوگ سابق مشرقی پاکستان اور پھر وہاں سے پانی کے جہازوں کے ذریعے کراچی اور مغربی پاکستان کے دیگر شہروں میں آکر آباد ہوئے جہاں اب ان کو پاکستانی شہریت حاصل ہے، تاہم اپنی سابقہ نسبت اور زبان کی وجہ سے برمی کہلاتے ہیں، ایک بڑی تعداد بنگلہ دیش کے کیمپوں میں، کرب واضطراب کی حالت میں ہے، کچھ بھارت، ملائشیا، تھائی لینڈ اور دوسرے ممالک میں پناہ لیے ہوئے ہیں لیکن ان ہجرت کرنے والے روہنگیا مسلمانوں کے عزیز واقارب کی بڑی تعداد اب بھی اراکان میں ریاستی اور مذہبی دہشت گردی کے خونی پنجوں میں، انسانیت سوز ظلم وستم کا شکار، بے بسی کے شب وروز گزار رہے ہیں، اور جب بھی کسی موقع پر ان کے خلاف بربریت کا آغاز ہوتا ہے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں، سخت ترین ناگفتہ بہ حالات سے گزر کر پناہ کے لئے بنگلہ دیش کا رخ کرتے ہیں، ظلم اور درندگی کا یہ کھیل سوسال سے جاری ہے اور بظاہر برما کی حکومت اور مذہبی انتہاپسند چاہتے بھی یہی ہیں کہ روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کر کے اراکان سے ان کا صفایا کردیا جائے۔

اراکان کے علاوہ میانمار کے دیگر صوبہ جات، یہاں تک کہ دارالحکومت ینگون میں بھی مسلم اقلیت کے لئے کچھ عرصے سے حالات ناسازگار ہوتے جارہے ہیں کہ عمومی طور پر بدھسٹ آبادی کی طرف سے مسلمانوں کو نفرت آمیز سلوک کا سامنا ہے، تین سال پہلے تھیمیلا کے علاقے میں تحفیظ القرآن کریم کے ایک مدرسے پر بدھ مت کے پیروکاروں نے تلواروں، برچھیوں اور ڈنڈوں سے حملہ کر کے بڑی تعداد میں طلبہ اور عام لوگوں کو قتل کرڈالا تھا، سنگدلی اور سفاکی کا یہ منظر جن لوگوں نے دیکھا انہوں نے بتایا کہ شہید ہونے والے ان طلبہ کی زبانوں پر اللہ اکبر اور لاالہ الااللہ کے کلمات جاری تھے اور مقامی درندے قصائیوں کی طرح ان پر خنجر اور تلواریں چلا رہے تھے..... حکومت کے طرز عمل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مصدقہ اطلاعات کے مطابق درندگی کا یہ شیطانی کھیل مقامی پولیس کی آنکھوں کے سامنے کھیلا گیا، فیس بک اور مختلف ویب سائٹس پر جو تصویریں گشت کررہی ہیں ان

کو دیکھنے کے لئے بھی دل گردہ چاہئے۔ بستی بستی مسلمانوں کو قیامت کا سامنا ہے اور عالمی سطح پر بشری حقوق کے علمبرداروں نے آنکھ کان کے ساتھ دل ودماغ پر بھی تالے ڈال دئے ہیں تاکہ ہمدردی اور رحم دلی کی کوئی حس بیدار نہ ہو، دنیا والوں کو لاتعلق دیکھ کر ان درندہ صفت بدمستوں کا شہروں میں مقیم مسلمانوں کی طرف بھی رخ ہوسکتا ہے، اور مدارس ومساجد اور دعوت دین کا کام جو مقامی مسلمانوں میں دین وایمان کو مستحکم کرنے کے مؤثر ذرائع ہیں ان کو بھی نشانہ بنائے جانے کا خطرہ ہے..... تین سال پہلے رنگون شہر کے ایک مدرسہ میں آگ لگی تھی جس میں گیارہ طلبہ جل کر خاکستر ہوگئے تھے، اس وقت بہت سے مقامی لوگوں نے اس المناک واقعہ کو مسلمانوں کے خلاف جاری دہشت گردی کا تسلسل قرار دیا تھا۔

دہشت وبربریت کے اس خوفناک دیو کے سامنے مؤثر حکمت عملی کی ضرورت ہے کہ برما کے عمومی حالات اور بطور خاص اراکان میں درندگی کا جو کھیل جاری ہے یہ سب دنیا والوں کے سامنے لایا جائے اور اس غرض کے لئے تمام تر سفارتی، سیاسی ذرائع کے ساتھ، علاقائی اور عالمی میڈیا کو استعمال کیا جائے، برما کے جو مسلمان یورپ، امریکا اور دیگر ممالک میں مقیم ہیں وہ مؤثر منصوبہ بندی کرکے عالمی اداروں تک اپنی آواز پہنچائیں اور ماضی وحال کے ظالمانہ، سفاکانہ، انسانیت سوز حالات وواقعات سے دنیا والوں کو جھنجھوڑ کر، حکومت برما اور وحشی بدمستوں کا مکروہ چہرہ دنیا کو دکھایا جائے۔

برما کے طول وعرض میں جو مسلمان مقیم ہیں ان کو بھی پورے ملک کی سطح پر سیاست سے ہٹ کر خالص رفاہی اور تعلیمی مصالح کے لیے مؤثر تنظیم قائم کرنی چاہئے، جو ناسازگار حالات میں کام آسکے اور دیگر ممالک کے لوگ بھی اس کے توسط سے تعاون کرسکیں۔ اس تنظیم کی وسیع تر ممبرشپ گاؤں گاؤں تک پھیلی ہوئی ہو، اس طرح مسلمانوں کی تعداد کے بھی درست اعداد وشمار سامنے آجائیں گے..... مسلمانوں کو آپس کی دوریاں ختم کرکے اور متحد ہوکر اپنے ایمان، اپنی ثقافت اور اپنی نسلوں کے تحفظ کی خاطر اس نسل کشی اور بربادی کے مقابلے میں بند باندھنا ہوگا کہ آنکھیں بند کرکے سیلاب کی تباہ کاری کو نہیں روکا جاسکتا۔

> **اراکان کے روہنگیا مسلمان، اس مہذب دنیا میں وہ طبقہ ہے جو بنیادی انسانی حقوق، یہاں تک کہ جس ملک میں وہ اور ان کے آباء واجداد صدیوں سے آباد تھے، اس ملک کی شہریت سے بھی محروم ہیں، نہ بیرون ملک جانے کے لئے وہ پاسپورٹ حاصل کرسکتے ہیں اور نہ اندرونی طور پر ان کو آمدورفت کی آزادی ہے، نہ ان کو ووٹ کا حق حاصل ہے**

برما کے مسلمانوں کا علماء سے عقیدت کا گہرا تعلق ہے اور لوگ بہت سے معاملات میں رہبری ورہنمائی کے لئے علماء ہی کی طرف دیکھتے ہیں، اس لئے علماء پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جان ومال کی حفاظت اور بقاء کے لئے متحد ہوکر حکمت عملی وضع کریں، ان کے درمیان باہمی رنجشیں جان ومال کی بربادی کے علاوہ مسلمانوں کو عملی ارتداد کے خطرات سے بھی دوچار کرسکتی ہیں۔

اراکان کے روہنگیا مسلمان، اس مہذب دنیا میں وہ طبقہ ہے جو بنیادی انسانی حقوق، یہاں تک کہ جس ملک میں وہ اور ان کے آباء واجداد صدیوں سے آباد تھے، اس ملک کی شہریت سے بھی محروم ہیں، نہ بیرون ملک جانے کے لئے وہ پاسپورٹ حاصل کرسکتے ہیں اور نہ اندرونی طور پر ان کو آمدورفت کی آزادی ہے، نہ ان کو ووٹ کا حق حاصل ہے، حکومت برما ان مسلمانوں کو بنگالی سمجھتے ہیں جبکہ بنگلہ دیش بھی ان کو اپنا شہری تسلیم نہیں کرتا..... اس طرح اراکان ان روہنگیا مسلمانوں کے لئے تاریک جیل خانے سے کم نہیں ہے، ان کے خلاف مار دھاڑ جاری ہے، درندہ صفت بدمست دہشت وبربریت کی جس راہ پر چل نکلے ہیں، اس کی ابتداء، جو تقریباً ایک صدی پہلے ہوگئی تھی وقت کے ساتھ ساتھ اس میں شدت آتی چلی گئی۔ اس کو وقتی حادثاتی معاملہ سمجھنا ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ نہیں۔

برما کی حکومت کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور بدمست درندوں کے ہاتھوں میں نہیں کھیلنا چاہئے، اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمان بنیادی انسانی حقوق کا استحقاق رکھتے ہیں۔ جس طرح دیگر مذاہب کے لوگ یہاں آباد ہیں، حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ تعصب برتنا، انہیں بدمست دہشت گردوں کے سفاکانہ سلوک کا نشانہ بننے دینا اور ان کی جان ومال کی حفاظت سے متعلق اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنا، عالمی انسانی حقوق کی رو سے مجرمانہ سلوک ہے، میانمار میں عام طور سے امن وامان ہے اور حکومت کی گرفت مضبوط ہے لیکن روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ درندگی کا یہ سلوک، حکومت اور سیکورٹی اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمان اور مہذب دنیا اس بربریت کو مزید برداشت نہیں کرے گی..... اس لئے میانمار کی حکومت اپنی اخلاقی، قانونی اور انتظامی ذمہ داریوں کو منصفانہ بنائے اور اس درندگی کو روکے۔ ☆☆☆

دینِ اسلام کے اساسی و آفاقی تصورات

عبدالمتین

معاصر مغالطوں میں سے ایک بہت ہی بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دین اسلام کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ دین اسلام چند رسمی احکامات کا نام نہیں، بلکہ دراصل یہ تو ایک نظام حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے سارے کے سارے گوشوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دین کے ساتھ اس طرح کی نسبت کا فروغ بلاوجہ پیدا نہیں ہوا بلکہ اس روش کے پس پردہ ایک سیاہ تاریخ ہے، جسے ہم ”تحریک تنویر“ کے نام سے جانتے ہیں، یہ تحریک اسی مقصد کے لئے قائم کی گئی کہ کس طرح دین کو مذہب تک محدود کردیں، کس طرح اسے ایک وہم وخیال تصور کیا جاسکے، کس طرح خطہ ارض پر الٰہی اختیارات کی بجائے انسانی اختیارات کا بول بالا کیا جاسکے، کس طرح وحی الٰہی سے چھٹکارا پایا جائے، کس طرح عقل انسانی کو ماخذ علم سمجھا جائے، الغرض اس تحریک نے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کے تحت بندوں کا رشتہ خدا سے کٹ کر رہ گیا اور عبداللہ عبدالدرہم والدینار بن گیا۔

مذکورہ تمام مقاصد کا حصول ہی اس تحریک کا منشور تھا، جس میں کامیابی کا نتیجہ آج ہمیں مذہب بیزار اور خدا بیزار انسانوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، جن کے مطابق اس دنیا کا کوئی ایک معمولی مسئلہ بھی مذہب حل کرنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ ان کے مطابق ہم نے ایسے علوم تشکیل دیئے ہیں جن کے ساتھ نبھاؤ ہماری ہر الجھن کو سلجھن میں بدل سکتا ہے بغیر کسی آسمانی ہدایت کے، ہاں اگر کوئی شخص اپنے نجی معاملہ کی حد تک کوئی مذہبی معاملہ کرتا ہے تو ہم اسے ”آزادیٔ اظہار رائے“ کا حق دیتے ہوئے نظرانداز کردیتے ہیں، کیونکہ دراصل ہمارے نزدیک مذہب فقط ایک ذاتی معاملہ ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کے ذاتی معاملہ تک محدود ہونے کی صورت میں اس کی انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا ایسے کسی شخص کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عائلی مسائل کو اپنے مذہب کی روشنی میں حل کرسکے؟ یا یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ خود پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ اپنی مذہبی تشریحات کے مطابق لے لے؟ یا یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مالی معاملات میں سود کی گردش سے دور رہ کر ملکی اداروں تک رسائی حاصل کرسکے؟

اگر نہیں تو کس بات کو نجی کہہ کر اہمیت دی جا رہی ہے؟ کیا ایک ایسا نجی معاملہ قابل اختیار ہوسکے گا جو اس کے بنیادی حقوق ہی چھین لے، آزادیٔ اظہار رائے کا نام تو لے لیا گیا لیکن یہ آزادی فقط اس فلسفہ حیات کے حامل لوگوں کے لئے ہے جو ”تحریک تنویر“ سے نکلنے والی شعاؤں کو عقیدہ کی طرح مان لے اور جان لے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے اپنی عقل وہوس کی روشنی میں ہی کرنا ہے، یہ سب کیا دھرا دراصل انسان کو ایسے ضابطۂ حیات کی طرف دعوت دیتا ہے جہاں انسان کا رشتہ خالق سے توڑ کر مخلوق سے جوڑا گیا ہے، جس میں خودغرضی اور خودسری کی حدوں کو پار کیا جاتا ہے، جس میں مدنظر فقط ”مادّہ“ ہی رہتا ہے، جس میں روحانیت کو نفسیاتی مسئلہ اور ”وحی الٰہی“ کو ”مرگی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دین اسلام جو کہ درحقیقت آسمانی ہدایت اور خداوند تعالیٰ کے فرامین کا مجموعہ ہے، جسے ہم ”شریعت“ کا نام دیتے ہیں، مذکورہ تمام امور کے برعکس ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلام کا مکمل ضابطہ حیات ہونا کوئی جدید اصطلاح نہیں ہے، (جیسا کہ آج کل بہت سوں کو یہ گمان ہورہا ہے) نہ ہی یہ سب تحریک تنویر کی طرح ردعمل کا سا معاملہ ہے، بلکہ یہ تو خالق کی بسائی ہوئی دنیا میں اسی کے احکامات کے مطابق زندگی کا گزارنا ہے اور یہ نظام حیات اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ یہ عالم جن وانس، دراصل اسلام اپنے ماننے والوں سے بغیر کسی قطع وبرید کے مکمل شمولیت کا تقاضہ کرتا ہے، اور یہ تقاضہ کرنا اس امر کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ایسا بامعنی پہلو نہیں جس کے متعلق قرآن وحدیث میں اصولی طور پر اور فقہاء کی آراء میں جزوی طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہو۔

اسی ضابطہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں:

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً“ (بقرہ:۲۰۸)

ترجمہ ”اے ایمان والو! دین میں مکمل

طور پر داخل ہو جاؤ۔"

آیت مبارکہ کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ "اللہ پاک اپنے ان بندوں کو حکم کرتا ہے جو کہ اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے تمام اصول اور قوانین کو لیا کریں، اور اس کے تمام احکامات پر عمل کریں اور حتی الامکان اسلام کے بتائے ہوئے تمام مناھی سے گریز کریں۔"

(تفسیر ابن کثیر، بقرہ: ۲۰۸)

اس آیت مبارکہ کے علاوہ یہ آیت بھی دین کی کاملیت اور قطعیت پر واضح دلیل ہے:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (مائدہ: ۳)

ترجمہ "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل فرمادیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرمادی اور تمہارے لئے دین اسلام پر راضی ہوا۔"

دین کا یہ بھی رخ سامنے رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: "ٹھیک اسی طرح اللہ پاک کی جانب سے ایک ایسی شریعت عطا ہوئی جو کہ کامل ترین ہے اور ایسی مصلحتوں پر مشتمل ہے کہ جن کی رعایت کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔"

(مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۳، قدیمی کتب خانہ)

فقہ اسلام کی معروف کتاب "ہدایہ" کی ترتیب وضع پر ایک نظر کی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ صاحب کتاب نے اپنی کتاب کے تین چوتھائی حصہ کو معاملات سے متعلق موضوعات کے لئے مختص فرمادیا ہے، یہ سعی اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ دین اسلام کی جامعیت کس قدر عمیق اور گہری ہے، اسلام ایک دستور حیات کی حیثیت سے ہمارے لئے ایسی ترتیب پیش کرتا ہے جن کی رعایت پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے احکامات کو سمجھنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ دین کی شعبہ جاتی تقسیم کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسلامی تعلیمات مضامین کے اعتبار سے پانچ حصوں میں منقسم ہیں: (۱) عقائد وتصدیقات، (۲) اعمال و عبادات، (۳) معاملات وسیاسیات، (۴) آداب ومعاشرت، (۵) سلوک واحسان۔"

(مقدمہ تعلیم الدین از تھانویؒ، م: دارالاشاعت)

شریعت اسلامی کی پوری عمارت ایمانیات پر منحصر ہے اور ایمانیات کی حیثیت اس ستون کی سی ہے جس کے بغیر عمارت کی بنا تو دور اس کا تصور بھی محال ہے، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں داخل اور خارج ہونے کا معیار بھی ایمانیات ہی کے شعبہ سے وابستہ ہے، ایمانیات کے اساسی شعبہ جات کو حدیث جبرئیل میں بڑی ہی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

ترجمہ: "آپ ایک دن لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اللہ سے ملاقات ہونے پر اور اس کے رسولوں پر اور اس بات پر ایمان لے آئے کہ (مرنے کے بعد) تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔"

اور فرمایا اس شخص نے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد، اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو تو۔" (صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الایمان والاسلام والاحسان)

حدیث مبارکہ میں ایمانیات کے ان شعبوں کا ذکر آ گیا جو کہ اساسیات ایمان ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرۃ۔

ایمانیات کا اولیں مقصد خالق سے اپنا ناتہ مضبوط کرنا ہے اور اس مضبوطی کا سب سے موثر ترین ذریعہ خالق کے آگے اپنی انا کا بت توڑ کر تسلیم جاں ہو جانا ہے، جس کو ہم عبادات کے نام سے جانتے ہیں جو کہ درحقیقت ایمان کے اظہار کا حقیقی اور بلا واسطہ ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں آپ کی بے شمار مصروفیات کے ذکر کرنے کے باوجود جو کہ عبادت خداوندی ہی کا مظہر تھیں، آپ کو خصوصی حضوری رب کا بھی کہا گیا اس بات کو سمجھانے کی خاطر کہ قرب خداوندی کا وہ پہلو جس میں بندہ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے رہتا ہے ہر حال میں مستحضر رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ دنیا کی دوڑ دھوپ کی تھکاوٹ اور بوجہ شوق عبادت کی ہلکان وآسودگی میں تبدیل ہو جائے۔ مذکورہ حدیث میں عبادات کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔

اسی طرح اخلاقیات کا شعبہ دین کی حقیقی تربیت اور عام چال وچلن میں اس کی افادیت کے اظہار کا ذریعہ ہے، جس میں اس قدر مختلف النوع الآداب و احکام کا ذکر ہے کہ جس پر صفحات کے صفحات لکھے جاچکے ہیں، یہاں تک کہ معلم اخلاق آپ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل

بتلایا ہے:

ترجمہ: ”بے شک مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کرسکوں۔“

اخلاق حسنہ کو بہترین اشخاص کا وصف قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ”بے شک تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔“

قرآن وحدیث میں جن جن اخلاقی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں تقویٰ، عفت، پاکدامنی، حیا، خوش مزاجی، شجاعت، عدل وانصاف، قناعت، استقامت، تواضع، انکساری، سخاوت، صبر وشکر، حلم و بردباری، علم، نرم خوئی، توکل، سچ، اخلاص نیت، توبہ، زہد وغنا، رضا بر قضا، عشق الٰہی، عشق رسول، شوق شہادت، اکل حلال۔

ان کے بعد دین کا وہ شعبہ جس میں معاشرہ سے واسطہ پڑتا ہے، جسے ہم معاشرت کے نام سے جانتے ہیں، جس کا تانا بانا اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور ان سب کے حقوق کی کما حقہ ادائیگی ہی بہتر سے بہتر معاشرے کے لئے عملی تصویر بن سکتی ہے۔ مخلوق خدا کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ”ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ساری مخلوق میں سے اللہ کے ہاں بہترین شخص وہ ہے کہ جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو۔“

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے ہاں مطلوبہ اعمال میں سے اہم ترین عمل وہ ہے جو اس کے بندوں سے جڑا ہوا ہے یعنی حقوق العباد جو کہ معاشرے کی حقیقی روح کے مانند ہیں، اسی سبب حقوق اللہ کی معافی بہ نسبت حقوق العباد کے آسان ہے، کیونکہ حقوق العباد کا تعلق براہ راست اللہ کے بندوں سے ہے، اسی عقدہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ”جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں رحمٰن ان پر رحم فرماتا رہتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

مذکورہ احادیث اس امر کی وضاحت کو کافی ہیں کہ معاشرتی عروج وزوال کا انحصار آپسی معاملات پر ہے، جس قدر آپس میں ان صفات عالی کو عام کیا جائے گا اسی قدر معاشرے کے حسن میں نکھار آتا جائے گا اور جتنا ان سے روگردانی کی جائے گی اتنا ہی یہ پھول سکڑ سکڑ کر بے رنگ وبو ہوتا جائے گا۔

وہ اعلیٰ صفات کیا ہیں ان کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے: صفائی ستھرائی، اہل محلہ کے حقوق، سواری کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، زوجین کے حقوق، والدین کے حقوق، نکاح، مہر، طلاق، رضاعت، ستر پوشی، سلام کا رواج، اکرام مسلم، صلہ رحمی، صلح کروانا، مدد کرنا، مریض کی عیادت۔

ان اساسیات کے بعد معاملات کی حیثیت بھی دین میں ایسی ہی ہے جیسی کہ دیگر اعمال کی، آپس کے معاملات کو رسم ورواج اور اپنی انا کی بھینٹ چڑھانے کے بجائے ان کو بھی آسمانی ہدایات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، جن پر عمل پیرا ہونا اس پرفتن دور میں کہ جس میں دین کا تصور عمل نجی معاملات تک محدود ہو چکا ہے زیادہ ضروری ہے اور اشاعت دین کی ایک کارگر صورت ہے۔ کتب فقہ میں دین کے وہ احکامات جو کہ معاملات کے متعلق ہیں بڑی ہی کثرت اور عرق ریزی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں جن پر سرسری نظر ڈالتے ہی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ دین کے احکامات کس قدر گہرائی اور گیرائی لئے ہوئے ہیں۔

اسی نکتہ کے متعلق دور حاضر کے عظیم فقیہ اور فقہ المعاملات کے عالی متخصص، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

”فکتاب البیوع فننتقل الا آن الیٰ باب عظیم من ابواب الدین وھو باب المعاملات.“ (تکملۃ فتح الملھم، کتاب البیوع، ج، ص۳۰۰، م مکتبہ دارالعلوم کراچی)

ترجمہ: ”سو کتاب البیوع، ہم لوٹ رہے ہیں ایسے باب کی طرف جو کہ دین کے عظیم ابواب میں سے ہے اور وہ معاملات کا باب ہے۔“

معاملات کا باب ان امور پر مشتمل ہے، جن کا تعلق ہماری معاشی، قانونی اور ذاتی زندگی سے ہے، معاملات کے احکامات اکثر وبیشتر عدم التفات کا شکار رہتے ہیں، ہم یہاں معاملات کے ان احکامات کو درج کرتے ہیں جن سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سابقہ پیش آتا رہتا ہے جن میں: زراعت، اجارہ، عاریت، امانت، قرض، وراثت، وصیت، ہدیہ، ہبہ، تحفہ تحائف، رہن، شرکت، مضاربت، تجارت، وکالت، کفالت، صلح، حق شفعہ، مال وقف شامل ہیں۔

اسلامی ریاست ان تمام شعبہ جات کی بنیاد ہے جو کہ ذکر ہو چکے اس اعتبار سے کہ یہ ان تمام پر انتظامی بالادستی کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر ریاست منتظم رہتی ہے اسی قدر دیگر شعبہ جات متحرک رہتے ہیں اور جیسے ہی ریاست مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات تمام کو مریض بنا دیتے ہیں جس کا نتیجہ موت یا زوال ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ریاستی احکامات کے مخاطب حکمران اور ریاستی ادارے ہوتے ہیں، مقاصد شریعت کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اکثری احکامات ایسے ہیں جن کی تکمیل کے لئے ریاست کا ڈھانچہ انتہائی ضروری ہے اور ریاست کا نظم

وضبط ہی دراصل دین کے دیگر شعبہ جات کی ترویج و ترقی کا ذریعہ بنتا ہے اور ان کی حفاظت اور فعالیت کو ممکن اور موثر بنا دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی جامع اور ہمہ گیر صورت ہمیں سب سے پہلے ریاست مدینہ ہی کے قیام کے بعد نظر آتی ہے۔

ریاست کے مقصد اور اس کی اساسی درجہ بندی کرتے ہوئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ" (حج:۴۱)

ترجمہ: "یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔"

اسی طرح ریاستی اختیارات کے حقیقی ماخذ اور مصدر کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔" (یوسف:۴۰) ترجمہ "حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔" ساتھ ساتھ "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" (بقرہ:۳۰) ترجمہ: "بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں" کہ انسان تو درحقیقت خلیفہ اور جانشینی کا کردار ادا کرنے کے لئے آیا ہے اور اسی جانشینی کا حق اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کے مطابق احکام خداوندی کی بجا آوری کی صورت میں کرتا رہتا ہے، ٹھیک یہی صورت ریاست کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اس انداز سے ادا کرنی پڑتی ہے کہ "ان اقیموا الدین" (شوریٰ:۱۳) ترجمہ "کہ تم دین کو قائم کرو" کے تحت اللہ کی سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا پڑتا ہے۔

قرآن و حدیث اور فقہائے کرام کی تفصیلات سے اسلامی ریاست کے لئے جو شعبہ جات ناگزیر ہیں وہ درج ذیل ہیں: جہاد، خارجہ امور، امن و امان، امور داخلہ، پولیس، بیت المال، نظام قضا، عدالتیں، نظام زکوٰۃ، اقامت صلوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، شورائی نظام، اطاعتِ امیر۔

ان تمام کے متعلق مستقل احکامات اور تجاویز موجود ہیں جن کا احاطہ یہاں طوالت کو لازم ہے، ان سب اعمال پر عمل کرنے کی حقیقی صورت اسلامی ریاست ہی کی صورت میں ممد و معاون ثابت ہوگی ورنہ ریاست کے اسلامی نہ ہونے کی صورت میں مفید تو بہر حال رہے گی لیکن خواطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوسکیں گے کہ جن سے مقاصد شریعت کا بالکلیہ حصول ممکن ہوسکے، یہی وجہ ہے کہ امیر کی اطاعت کو قرآن کریم میں اللہ اور اس کے رسول کے ذکر مبارک کے ساتھ ذکر فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔" (النساء:۵۹)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔" ☆

یوم تحفظ ختم نبوت پروگرام میں علماء کرام کے بیانات

فیصل آباد (محمد عابد پوری) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ۷ر ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب بمقام جامع مسجد ربانیہ جناح آباد نزد ڈسپنسری والی گلی خانوآنہ سمندری روڈ فیصل آباد میں یوم تحفظ ختم نبوت نہایت جوش و خروش سے منایا گیا۔ پروگرام کا آغاز قاری محمد ہاشم کی تلاوت سے ہوا، مولانا مفتی خبیب احمد شاہ اور مولانا نور محمد ہزاروی آف سرگودھا نے اپنے بیانات میں کہا کہ ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی پاکستان میں مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں ایک قرارداد پاس ہوئی، جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ۶ر ستمبر کا دن دفاع پاکستان ہے اور ۷ر ستمبر کا دن دفاع ایمان اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا دن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حفاظت کرنا امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے، اس لئے کہ عقیدۂ ختم نبوت محفوظ ہے تو پورا دین محفوظ ہے اور اگر خدانخواستہ عقیدۂ ختم نبوت محفوظ اور سلامت نہ رہے تو دین محفوظ نہیں۔ علماء کرام نے کہا کہ ۲۶ر اپریل ۱۹۸۴ء کو قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی تھی اور قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر اور خود کو مسلمان ظاہر کرنا جرم قرار دے دیا گیا تھا، ملک کی تقسیم کے وقت قادیانیوں نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے موقف اختیار کیا تھا کہ "ہم مسلمانوں سے الگ قوم ہیں، اس لئے انہیں ایک الگ خطہ دیا جائے۔" اور ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں بحث کے دوران قادیانی سربراہ مرزا ناصر نے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کے سامنے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ: "جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔" مرزا ناصر خود کو پاکستان کی اسمبلی میں مسلمان ثابت نہیں کر سکا، اس بات پر پاکستان کی قومی اسمبلی کے تمام ممبران نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ قادیانی غیر مسلم، کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مقررین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی اسلام دشمن سرگرمیوں کا فوری نوٹس لے اور آرڈیننس ۱۹۸۴ء پر عمل درآمد کرایا جائے۔

حاجی عمردین بہاول پور کی وفات

حاجی عمر دین گوڑگانواں سے مہاجر ہوکر بہاول پور تشریف لے آئے۔ اللہ پاک نے انہیں تین بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے سرفراز فرمایا۔ فتح خان بازار بہاول پور میں کریانہ کی دکان شروع کی، اللہ پاک نے انہیں مال ودولت سے سرفراز فرمایا اوران کا کریانہ کا کاروبار خوب چمکا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک عرصہ تک ناظم اعلیٰ رہے، پھر نائب امیر بنادیے گئے اور تادم زیست نائب امیر کے منصب پر فائز رہے۔

راقم ۱۹۸۰ء میں بہاول پور کا مبلغ بن کر گیا، تو کبھی کبھار مجلس کے رفقاء کا اجلاس حاجی سیف الرحمٰن انصاری کی دکان پر ہوتا۔ جس سے ان کے کاروبار میں حرج واقع ہوتا تو بندہ نے کوشش کرکے ایک تو اجلاس ریگولر اور مستقل بنیادوں پر شروع کیا۔ دوسرا اجلاس دفتر میں تاکہ حاجی صاحب کے کاروبار میں حرج واقع نہ ہو اور پرائیویسی بھی برقرار رہے۔ جب راقم بہاول پور گیا تو مجلس کی باڈی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی: امیر الحاج محمد ذکر اللہؒ، ناظم اعلیٰ حاجی عمر دینؒ، رکن مرکزی شوریٰ حاجی سیف الرحمٰن، ایک آدھ اور کوئی ساتھی۔

راقم الحروف نے نئی ممبر سازی کے بعد درج ذیل کابینہ تشکیل دی: سرپرست الحاج محمد ذکر اللہؒ (والدمحترم مولانا سعید الرحمٰن مدظلہ)۔

نائب امیر حاجی عمر دینؒ، ناظم اعلیٰ پروفیسر چوہدری محمد علیم، ناظم حافظ عبدالحمید، ناظم اطلاعات علامہ محمد ریاض چغتائی۔

اجلاس باقاعدگی سے ہونے لگے، آگے چل کر جب حاجی سیف الرحمٰن مدظلہ مرکزی انجمن تاجران بہاول پور کے صدر منتخب ہوئے تو راقم کی تحریک پر تمام بازاروں کے صدور اور سیکریٹریز کو مجلس کی شوریٰ میں لے لیا گیا۔ ۱۹۸۴ء کی تحریک کے زمانہ میں جب کسی ہڑتال اور احتجاج کی ضرورت ہوتی تو مجلس شوریٰ کا اجلاس بلاکر ہڑتال اور احتجاج کا فیصلہ کیا جاتا جو الحمدللہ! کامیابی سے ہمکنار رہتا۔ حاجی عمر دینؒ اس کے رکن رکین ہوتے۔ کچھ عرصہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ ۱۴؍اگست ۲۰۱۷ء کو صبح سوا دس بجے دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اسی دن بعد نماز عصر مدینہ مسجد سے متصل ماڈل ٹاؤن بی کی جنازہ گاہ میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔

تبلیغی مرکز کی مسجد کے امام مولانا مقبول احمد نے جنازہ سے قبل خطاب فرمایا جس میں حاجی عمر دینؒ کو ان کی خدمات جلیلہ پر خراج تحسین پیش کیا اور نماز جنازہ کی امامت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بہاول پور کے نائب امیر مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہ نے کی جنازہ میں سینکڑوں مسلمانوں نے شرکت کی۔ اللہ پاک ان کی حسنات کو قبول فرمائیں اور سیئات سے درگزر فرمائیں۔ آمین۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

دروس ختم نبوت سے مقررین کا خطاب، گوجرانوالہ

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ایمان کا تقاضہ ہے اس پر ایمان کا دارومدار ہے۔ اس پر شک سے ایمان سے اخراج یقینی ہے۔ قادیانیت، یہودیت کا چربہ ہے اور قادیانی پاکستان اور اسلام کے دشمن ہیں۔ ان غداروں سے نہ پاکستان محفوظ ہے اور نہ ہی عالم اسلام بچا ہوا ہے۔ پاکستان کو بچانا ہے تو نیشنل ایکشن پلان کے تحت ان غداروں کے خلاف کارروائی کی جائے اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے دنیا بھر میں قادیانیت کے فریب، دجل اور دھوکہ کو بے نقاب کرنے کے لئے قابل قدر کردار ادا کیا ہے۔ اس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کا کفارہ ادا کیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار مقررین نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع گوجرانوالہ کی طرف سے منعقدہ دروس ختم نبوت میں کیا جو جامع مسجد ختم نبوت المعروف شیر شاہ سوری چمن شاہ جامع مسجد ختم نبوت ہاشمی کالونی گوجرانوالہ، جامع مسجد توحیدیہ موڑ ایمن آباد، جامع مسجد قبا اپروچ روڈ، مکی مسجد ڈیوڑھا پھاٹک، جامع مسجد یعقوب والی منڈھیالہ وڑائچ، مرکزی جامع مسجد جلیل ٹاؤن، جامع مسجد بلال حافظ آباد روڈ، مرکزی جامع مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن، جامع مسجد تقویٰ واپڈا ٹاؤن میں ہوئے۔ ان اجتماعات سے پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی، شجاع آبادی، مولانا ہدایت اللہ جالندھری، مولانا عبید اللہ حیدری، مولانا عطاء الرحمٰن جالندھری، مولانا عمر حیات، مولانا قاری محمد انور، مولانا مفتی غلام نبی، مولانا مفتی محمد ادریس، مولانا طاہر حنیف طاہری اور مولانا قاری عبدالغفور آرائیں نے خطاب کیا۔

دریں اثنا پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی نے کہا ہے کہ دنیائے کفر عالم اسلام کے حکمرانوں اور مقتدر طبقہ کو استعمال کرکے اہل حق کا استحصال کرنے کے درپے ہے۔ دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے مسلمانوں کو دہشت گردی کا شکار بنایا جارہا ہے۔ جنرل اسمبلی سے خطاب میں امریکی صدر نے عالمی جنگ کا نقشہ پیش کردیا ہے جس میں رنگ بھرنے کے لئے امریکی سرگرم ہیں۔ دنیا میں انسانی حقوق کی سب سے زیادہ پامالی امریکہ کررہا ہے۔ مگر وہ الزام دوسروں پر دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی دہشت گردی کی ٹرم ہی غلط ہے۔ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام امن وعافیت کا دین اور علمبردار ہے۔ اسلام کے لبادہ میں سامراجی ایجنٹ دہشت گردی کرکے اسلام کو بدنام کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سود کے تحفظ کے لئے حکومتی اقدام، قربانی کی کھالوں کے حوالے سے مدارس پر پابندی اور پنجاب میں چیریٹی بل کی شکل میں مدارس کے معاشی قتل کے منصوبے سے ہی حکمرانوں کی اسلام سے لگاؤ کی حیثیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ پاکستان کی برسراقتدار پارٹی ہی اسلام مخالف اقدامات کررہی ہے جس کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی پکڑ میں ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے دینی کارکنوں اور مدارس کے منتظمین کے اجلاس میں کیا۔ جس کی صدارت جامعہ نصرت العلوم کے ناظم مولانا حاجی محمد ریاض خان سواتی نے کی۔ اجلاس سے مولانا عبید اللہ عامر، بابر رضوان باجوہ، جواد محمود قاسمی، سید احمد حسین زید، مولانا مفتی غلام نبی، الحاج حافظ محمد یوسف عثمانی، مولانا محمد عارف شامی، مولانا مفتی غفران اللہ اور دیگر نے خطاب کیا۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ مدارس کے حوالے سے وفاق المدارس کو اپنے کردار کو جاندار بنانا ہوگا۔

فلاحی ریاست کا تصور اور سیرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مفتی منیب الرحمٰن، چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کی مثال کانوں (Mines) کی سی ہے، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں، سو ان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں فضیلت کا حامل تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی وہ فضیلت قائم رہی جب وہ فقیہ بن گئے۔'' (مسلم:۲۶۳۸)

علامہ علی القاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''انسانیت کے حوالے سے ''معدن'' سے مراد انسانی جبلتوں کا جوہر اور خیر کی وہ فطری استعداد ہے، جسے مسلسل تربیت و ریاضت سے نکھارا جاسکتا ہے، جیسے سونا، چاندی، ہیرے اور جواہرات زمین میں چھپے ہوتے ہیں، پھر انہیں نکالا جاتا ہے، ان کی تراش خراش کی جاتی ہے، ان کے اندر سے کھوٹ کو نکالا جاتا ہے، انہیں پالش کرکے چمکایا جاتا ہے، سو وہی پتھر جو پاؤں کی ٹھوکر تھا، بادشاہوں کے تاج میں سجایا جاتا ہے اور گلے کا ہار بنایا جاتا ہے، مگر جوہر کامل کو تلاش کرنے اور نکھارنے کے لئے جوہری ہونا چاہئے۔''

فارسی کی ضرب المثل ہے: ''قدر زر زرگر شناسد، قدر گوہر گوہری'' یعنی سونے کی قدر سنار جانتا ہے اور ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے۔ ہیرے کو تاج کی زینت بننے تک کئی مراحل سے گزارا جاتا ہے، شاعر نے کہا ہے:

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا، تب نگیں ہوا

سو سیّد المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کئے ہوئے جوہر کمال (Talent) کے شناور تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ملکہ اور علم سے جان لیتے تھے کہ کون سا انسانی ہیرا کس شعبے میں کمال رکھتا ہے اور اس کی استعداد کو کیسے نکھارا جاسکتا ہے، چنانچہ نگاہِ نبوت نے حضرت عمر بن خطاب کی شخصیت کے جوہر کمال کو پہچان لیا تھا، اسی لئے آپ نے اسلام کی عزت و شوکت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! تو عمر بن خطاب سے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔''

(سنن ابن ماجہ:۱۰۵)

اور ایسا ہی ہوا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''ہم (اپنی کمزوری کے باعث) کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، یہاں تک کہ عمر بن خطاب نے اسلام قبول کیا، پس جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے قریش سے مقابلہ کیا اور پھر انہوں نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔'' (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، عمر بن خطاب کے سوا میں کسی کو نہیں جانتا کہ جس نے علانیہ ہجرت کی ہو۔ پس جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار لٹکائی، کمان باندھی، تیر ہاتھ میں لئے اور کعبہ میں آئے، جبکہ اشرافِ قریش صحنِ کعبہ میں موجود تھے، انہوں نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے، پھر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک ایک کرکے قریش کے پاس گئے اور کہا: ''تمہارے چہرے رسوا ہوجائیں، تم میں سے جو چاہتا ہو کہ اس کی ماں اسے روئے اور اس کے بچے یتیم ہوجائیں اور اس کی بیوی بیوہ ہوجائے تو حدودِ حرم سے باہر میرا سامنا کرلے، لیکن کوئی بھی ان کا راستہ روکنے نہیں آیا۔'' (تاریخ الخلفاء، ج:۱، ص:۹۳، بحوالہ ابن عساکر) بعض نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن فضائل میں ضعیف احادیث معتبر ہوتی ہیں۔

حضرت عمر لفظاً و معنیً فاروق تھے اور آپ حق و باطل میں مفاہمت اور باطل کے لئے کسی رو رعایت کے قائل نہیں تھے، اس لئے غزوۂ بدر میں آپ کے ہاتھوں آپ کے ماموں قتل ہوئے اور جب قریش مکہ کے جنگی قیدیوں کی بابت مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، کیونکہ اس وقت تک اس بارے میں کوئی صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ سو آپ نے مشورہ دیا کہ جو جس کا قریبی رشتہ دار ہو، اسے اس کے حوالے کردیں تاکہ اپنے ہاتھ سے دشمن رسول کو قتل کرے، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر چھوڑنے کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا، پھر سورۂ انفال آیت:۶۷ نازل ہوئی اور اس وقت کے حالات کے تناظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو راجح قرار دیا گیا، تاہم آپ نے فیصلے کو برقرار رکھا،

بعد میں جب مسلمان طاقت کی پوزیشن میں آئے تو سورۂ محمد، آیت:۴ میں تفصیلی حکم آیا اور جنگی قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کو تین آپشن دیئے گئے: (۱)انہیں قید کردیا جائے، (۲)ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، (۳)تبرع اور احسان کے طور پر انہیں آزاد کردیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نورِ نبوت کے فیضان سے ایسی بصیرت عطا فرمائی تھی کہ آپ نے قضا وقدر جیسے انتہائی نازک مسئلے کو سہل انداز میں حل فرمادیا۔ آپ کا معمول تھا کہ اسلامی ریاست میں اسفار کے دوران راستے میں آنے والی بستیوں کا دورہ کرتے تاکہ لوگوں کے احوال معلوم ہوں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ وہ فتح بیت المقدس کے لئے شام کے سفر پر تھے کہ سرغ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ عمواس کی بستی میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کرامؓ سے مشورے کے بعد اس بستی میں داخل نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں: اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے کہا: عمر! اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! کاش یہ بات تمہارے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی (یعنی یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے) اس لئے کہ حضرت عمرؓ ان سے اختلاف کو پسند نہیں فرماتے تھے، پس انہوں نے جواب دیا: ہاں! اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اسی کی تقدیر کی پناہ میں جارہا ہوں۔ اس بحث کے دوران حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وہاں تشریف لائے اور کہا: ایسی صورت حال کے بارے میں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت موجود ہے، آپؐ نے فرمایا: جب تم سنو کہ کسی بستی میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جس بستی میں یہ وبا آجائے اور تم پہلے سے وہاں موجود ہو تو وہاں سے نکل کر باہر نہ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں: ''یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور چلے گئے۔'' (نوٹ یہ صحیح مسلم کی حدیث:۲۲۱۹ میں بیان کردہ طویل روایت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے کہ اگر وبازدہ بستی کے سارے تندرست لوگ نکل کر چلے جائیں تو مریضوں کی دیکھ بھال کون کرے گا اور اموات کی تکفین وتدفین اور جنازے کا اہتمام کون کرے گا؟)

اس حدیث سے ایک تو امراض کے متعدی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ اسباب کو اختیار کرنا توکل اور تقدیر کے منافی نہیں ہے اور جس حدیث میں فرمایا گیا: ''امراض متعدی نہیں ہوتے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ امراض بالذات متعدی نہیں ہوتے، لیکن بعض امراض میں یہ صلاحیت ہوتی ہے اور جب اللہ کا حکم اور اس کی تقدیر ہوتی ہے تو وہ متعدی ہوجاتے ہیں۔ ورنہ آج کل بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسپتالوں میں چکن گونیا اور ڈینگی جیسے متعدی امراض کا علاج ہورہا ہے، بعض لوگ ان سے متاثر ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ بچے رہتے ہیں۔ اگر یہ امراض بذاتہا متعدی ہوتے تو کوئی بھی نہ بچتا۔ الغرض اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کی تعلیمات ہدایت عقل کے خلاف نہیں ہیں۔

آج کل اس پر بھی بحث چل رہی ہے کہ انسانیت کا مفاد فلاحی ریاست میں ہے، ریاست اپنے شہریوں اور رعایا کے لئے آغوشِ مادر کی طرح مہربان اور باپ کی طرح شفیق ہوتی ہے، اس کے مقابل ''سیکولر اسٹیٹ'' کی اصلاح استعمال کی جاتی ہے کہ جیسے کوئی کسی دوسرے کی امانت کی حفاظت پر مامور ہو اور اس سے اُسے کوئی غرض نہ ہو کہ ریاست کے شہری کس حال میں ہیں اور ان کی ضروریات اور مسائل کیا ہیں۔ کئی سیاسی فلاسفہ نے سیکولر اسٹیٹ کو ایک فوجی کیمپ سے تشبیہ دی ہے کہ جسے رعایا کے بنیادی حقوق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انسانی تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فلاحی ریاست کی بنیاد ڈالی، تمام شہریوں کے لئے حسب مراتب اور حسب ضرورت وظائف مقرر کئے، یہاں تک کہ نومولود بچوں کے لئے بھی وظیفے مقرر کئے۔ اسی لئے رعایا کے احوال معلوم کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راتوں کو گشت کرتے، سفرِ شام کے دوران آپ کو ایک جھونپڑی نظر آئی، آپ وہاں گئے تو اس جھونپڑی میں ایک بڑھیا رہتی تھی، آپ نے اس سے پوچھا: تمہیں امیر المومنین کی کچھ خبر ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا: جو ہماری خبر نہ رکھے، اس کی خبر لینے سے ہمیں کیا غرض، سنا ہے وہ شام کے سفر پر نکلا ہے۔ آپ نے اس کے احوال معلوم کئے، اس کی ضروریات پوچھیں اور ان کی کفالت کا انتظام کیا تو اس بڑھیا نے دعا کی: اللہ عمر کی جگہ تمہیں امیر المومنین بنائے اور (واقعی) وہی امیر المومنین بننے کے قابل تھے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے: مجھے حکمرانی کے آداب ویرانے کی ایک بڑھیا نے سکھائے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ آپ نے عمرے کا ارادہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا کی اور (پیار سے) فرمایا: اے میرے بھیا! ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک کرنا، بھلا نہ دینا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: جب سے یہ کائنات قائم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (پیار سے) ''اے میرے بھیا!'' کہہ کر مخاطب کرنا مجھے کائنات کی ساری دولت سے زیادہ عزیز ہے۔ (روزنامہ اسلام کراچی، ۲۶ ستمبر ۲۰۱۷ء)

تجارت اور سیرت نبوی

شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

گزشتہ سے پیوستہ

ذخیرہ اندوزی:

اسی طرح ذخیرہ اندوزی سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس زمانے میں بھی یہ ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے کہ بڑے تاجر بہت زیادہ مال خرید کر ذخیرہ کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے منڈی میں مال کی کمی واقع ہوتی ہے اور اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، پھر حسب موقع یہ تاجر اس ذخیرہ کئے ہوئے مال کو مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ فقہائے کرام نے اس کی درجہ بندی کی ہے کہ اگر کسی چیز کے ذخیرہ کرنے سے مارکیٹ میں عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہو کہ لوگوں کو مال ہی میسر نہیں آتا یا عام بھاؤ سے زیادہ قیمت میں خریدنا پڑتا ہے تو ایسا ذخیرہ کرنا حرام ہے۔ مثلاً کسی تاجر نے ضرورت کی کوئی چیز خرید کر ذخیرہ کر لی جس کی وجہ سے منڈی سے وہ چیز عدم دستیاب ہو گئی تو ایسا کرنا تاجر کے لئے حرام ہے۔ لیکن اگر تاجر کے بہت زیادہ مال خرید کر ذخیرہ کرنے سے منڈی میں مال کی سپلائی میں فرق نہیں پڑا اور لوگوں کو دوسرے ذرائع سے وہ چیز میسر ہے، لیکن تاجر کی نیت یہ ہے کہ جب مال کی قیمت بڑھے گی تو میں اپنا مال منڈی میں لاؤں گا تو ایسا کرنا کراہت کے درجے میں ہوگا۔ اگر تاجر کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے منڈی میں مال کی سپلائی بند ہو جاتی ہے یا مال مہنگا ہو جاتا ہے تو پھر یہ حرام اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔

سودی کاروبار:

تجارت کے حوالے سے ایک بہت اہم مسئلہ سود کا ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ذکر ہے۔ تجارت کہتے ہیں ایک جنس سے دوسری جنس کے تبادلے کو، یعنی ایک چیز میرے پاس ہے اور دوسری چیز آپ کے پاس ہے، ہم اپنی اپنی ضرورت کے مطابق جب ان چیزوں کا آپس میں تبادلہ کریں گے تو اس میں مجھے بھی نفع ہو سکتا ہے اور آپ کو بھی۔ ایک جنس کا دوسری جنس سے تبادلہ تجارت کہلاتا ہے، لیکن ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کمی بیشی کی صورت میں سود کہلاتا ہے۔ جاہلیت کے دور میں دونوں باتیں چلتی تھیں۔ تجارت بھی ہوتی تھی کہ گندم کا کھجوروں سے تبادلہ، سونے کا چاندی سے تبادلہ، غلے کا کپڑے سے تبادلہ وغیرہ۔ اس طرح سود بھی چلتا تھا کہ روپے کا روپے سے تبادلہ اور اس میں کمی بیشی وغیرہ۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا اور سختی کے ساتھ اس سے منع فرما دیا۔ قرآن کریم نے جب سود کو حرام قرار دیا تو مشرکین نے اس پر اعتراض کیا: "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" (البقرہ: ۲۷۵)... انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو سود کے جیسی ہی ہے.... مشرکین مکہ کا کہنا تھا کہ اس میں اور اُس میں کیا فرق ہے؟ یہ بھی تجارت ہے اور وہ بھی تجارت ہے۔ آج بھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ سود بھی تجارت ہی ہے۔ اس دور میں بھی یہی بات کہی گئی کہ ایک جنس کے ساتھ دوسری جنس کے تبادلے میں بھی نفع ہے اور ایک جنس کے ساتھ اسی جنس کے تبادلے میں بھی نفع ہے، لیکن قرآن کریم نے صاف بتایا کہ تجارت اور سود متضاد چیزیں ہیں: "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (البقرہ: ۲۷۵)... اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام....

یعنی قرآن کریم نے اس اعتراض کا ذکر کیا اور پھر وہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے جبکہ سود کو حرام قرار دیا ہے۔ آج ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ کسی مجبور کو پیسے دینا اور اس سے اصل رقم سے زائد وصول کرنا قرض کی ایک صورت ہے جس کا تجارت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ قرآن کریم نے سود کو تجارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آنے والے دو واقعات کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ مسلم شریف میں بھی اس کا ذکر ہے اور ابوداؤد میں بھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لین دین کے معاملات کے ذمہ دار حضرت بلالؓ تھے، یعنی گھر کے لئے سودا سلف لینا، کھجوریں، آٹا اور دیگر گھریلو ضروریات کی خرید و فروخت وغیرہ۔ حضرت بلالؓ نے ایک دفعہ کھجوریں خریدیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کیں کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے لئے یہ کھجوریں خرید کر لایا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: یہ اتنی اچھی کھجوریں کہاں سے لے آئے ہو؟ حضرت بلالؓ نے بتایا کہ یا رسول اللہ! وہ آپ کے حصے میں جو قسم کی عام قسم کی کھجوریں آئی ہیں میں نے وہ زیادہ کھجوریں بازار میں دے کر ان کے بدلے میں اچھی قسم کی تھوڑی کھجوریں لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عین الربوا یہ تو بالکل سود ہے، انہیں واپس کر کے آؤ۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! پھر اچھی کھجوریں لانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ رقم کے عوض عام قسم کی کھجوریں بیچو اور پھر اس رقم کے عوض اچھی قسم کی کھجوریں خریدو، یعنی درمیان میں تیسری جنس لے آؤ۔

اسی طرح مسلم شریف کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے علاقہ میں وہاں کی پیداوار سے بیت المال کا حصہ وصول کرنے کے لئے ایک عامل بھیجا جب وہ واپس آیا تو اس کے پاس ساری کھجوریں اچھی قسم کی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت اچھی کھجوریں ہیں، پھر پوچھا کیا خیبر میں ساری کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں؟ عامل نے بتایا کہ یارسول اللہ! نہیں ہر قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پھر تمہارے پاس یہ سب کھجوریں اچھی قسم کی کیسے آگئیں؟ عامل نے بتایا کہ یارسول اللہ! مجھے موصول تو ہر قسم کی کھجوریں ہوئی تھیں لیکن میں نے وہ سب کھجوریں دے کر ان کے عوض اچھی قسم کی کھجوریں لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو تم نے سود کا کاروبار کیا ہے۔ عامل نے پوچھا یارسول اللہ پھر میں کیا کرتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پیسوں کے عوض وہ کھجوریں بیچتے اور پھر ان پیسوں کے عوض یہ اچھی کھجوریں خریدتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے زمانے میں رائج سود کو جو کہ بیع کا ایک طریقہ سمجھا جاتا تھا، اسے حرام قرار دے دیا۔ آپ ﷺ نے جوا بھی حرام قرار دیا، لاٹری بھی حرام قرار دی اور سٹہ بھی حرام قرار دے دیا۔ یہ ساری صورتیں وہ ہیں، جن میں غیر متوقع اور غیر فطری منافع ملتا ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو انسانی نفسیات کی تخریب کا باعث بنتی ہیں۔

اسلام کے اور مروجہ نظامِ تجارت میں فرق:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت میں حصہ لیا ہے، تجارت کی تلقین کی ہے، تجارت کے مسائل و احکام بیان کئے ہیں اور تجارت کے متعلق ایک مستقل نظام دیا ہے، جس پر اسلام میں تجارت کی بنیاد ہے۔ اسلام کے نظام تجارت میں اور آج کے مروجہ نظام تجارت میں ایک بنیادی فرق ہے جو ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے۔ دنیا کا جو مروجہ سسٹم ہے اس میں جائز اور ناجائز کی بنیاد مارکیٹ کی طلب پر ہے کہ جو چیز مارکیٹ کے ضرورت بن جائے وہ جائز ہو جاتی ہے اور جو چیز مارکیٹ کے لئے فضول ہو جائے وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ یعنی جائز اور ناجائز کا مدار مارکیٹ کی ڈیمانڈ پر ہے۔ سوسائٹی شراب مانگتی ہے تو شراب دے دو، سوسائٹی زنا کے کاروبار کا تقاضا کرتی ہے تو اس کی اجازت دے دو، سوسائٹی جوئے کے اڈے مانگتی ہے تو اس کی یہ ڈیمانڈ پوری کر دو، سوسائٹی نشہ آور ادویات مانگتی ہے تو وہ دے دو، جیسا کہ آج کل کچھ مغربی ممالک میں یہ صورت حال عام ہے جس کے نتیجے میں ادویات کی شکل میں نشہ آور اشیاء کو لوگوں کے لئے جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ یعنی بنیادی اصول یہ ہے کہ مارکیٹ میں جس چیز کی کھپت ہے اس کی سہولت مہیا کر دو، لیکن اسلام میں جائز و ناجائز اور حرام وحلال کا فیصلہ آسمانی تعلیمات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسلام تجارت کے انہی اصولوں کو جائز قرار دیتا ہے جو انسانی اخلاقیات، انسان کی حقیقی ضروریات اور انسانی معاشرے کے دنیوی اور اخروی نفع کے لئے بہتر ہیں۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی سے قیامت کے دن مال کے حوالے سے دو چیزوں کے متعلق سوال ہوگا: "من این اکتسب وفیما انفق" مال کمایا کہاں سے تھا اور خرچ کہاں پر کیا؟ کمائی کے ذرائع جائز تھے یا ناجائز اور جن چیزوں پر خرچ کیا وہ جائز تھیں یا ناجائز؟ ان دو باتوں میں سارا معاملہ آجاتا ہے۔ کمائی کے ذرائع اور مصرف کے مقامات دونوں جائز ہوں گے تب بات بنے گی ورنہ آدمی گناہ گار ٹھہرے گا۔ اسلام نے کمائی کے ذرائع بھی محدود کئے ہیں کہ فلاں ذریعہ آمدن جائز ہے اور فلاں ناجائز ہے اور خرچ کرنے کے معاملے میں بھی انسان کو کھلی چھٹی نہیں دی گئی کہ جہاں چاہو خرچ کرلو بلکہ مصرف کے مقامات کے متعلق بھی واضح کیا گیا ہے کہ فلاں جگہ خرچ کرنے کے لئے جائز اور فلاں ناجائز اور یہی اسلامی معیشت و تجارت کا بنیادی دائرہ ہے۔ ☆

مسلمانوں کو خاندانی معاملات اور مالیاتی مسائل میں اپنے شرعی قوانین پر عمل کا حق ملنا چاہئے

برطانیہ میں پروٹسٹنٹ فرقے کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر روون ولیمز نے کہا ہے کہ برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کو خاندانی معاملات اور مالیاتی مسائل میں اپنے شرعی قوانین پر عمل کا حق ملنا چاہئے اور اس مقصد کے لئے اسلامی شرعی قوانین کو ملک کے قانونی نظام کا حصہ بنایا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر روون کا کہنا ہے کہ (۱) نکاح وطلاق اور وراثت وغیرہ جیسے خاندانی معاملات میں اسلام کے شرعی احکام پر عمل کرنا مسلمانوں کا حق ہے اور انہیں قانونی طور پر یہ حق ملنا چاہئے۔ (۲) مغربی رہنماؤں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اسلامی قوانین انسانی حقوق کے منافی ہیں، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی قوانین مغربی رہنماؤں کے تصورات کے خلاف ہیں۔ لیکن دنیا کے ہر قانون کے لئے ان کے تصورات سے مطابقت رکھنا ضروری نہیں ہے۔ (۳) اگر ہمیں اسلام کے بعض قوانین مثلاً ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے اور کوڑے مارنے وغیرہ پر اعتراض ہے تو بعض اسلامی احکام ایسے بھی ہیں جو بہت اچھے ہیں، ہمیں ان کا بھی تذکرہ کرنا چاہئے۔ جیسے اسلام کے خاندانی احکام وقوانین، انہیں برطانوی قوانین میں شامل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (۴) برطانیہ میں یہودیوں کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خاندانی اور مالیاتی مسائل و تنازعات کا فیصلہ اپنے مذہبی احکام کے مطابق کر سکتے ہیں تو مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے اور قانون کو سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور، ۷ مارچ ۲۰۰۸ء)

پاکستان پیپلز پارٹی کا تحفظ ختم نبوت سیمینار

شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

ماہ ستمبر کے دوران ملک بھر میں جہاں وطن عزیز کے جغرافیائی دفاع و استحکام کے حوالہ سے مختلف تقریبات اور پروگراموں کا اہتمام ہوا وہاں تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے بھی ملک کے نظریاتی دفاع و استحکام کے فروغ کے موضوع پر متنوع تقریبات منعقد کی گئیں۔ ۶؍ستمبر کو ۱۹۶۵ء کی جنگ کی یاد میں ''یوم دفاع'' کے طور پر منایا جاتا ہے جبکہ ۷؍ستمبر کو ''یوم فضائیہ'' کے علاوہ ''یوم تحفظ ختم نبوت'' کا عنوان بھی دیا جاتا ہے کیونکہ اس روز ۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی دستوری فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس حوالہ سے دو تقریبات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

۲۱؍ستمبر جمعرات کو مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکز لاہور میں ''تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' منعقد ہوئی جس کی صدارت جمعیۃ علماء پاکستان کے سربراہ جناب پیر اعجاز احمد ہاشمی نے کی اور اس سے مولانا محمد امجد خان، مولانا پیر سید کفیل شاہ بخاری، مولانا حافظ زبیر احمد ظہیر، مولانا عبد الرؤف فاروقی، حافظ عاکف سعید، حاجی عبد اللطیف چیمہ اور دیگر سرکردہ زعماء کے علاوہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سرگرم راہ نما حافظ میاں محمد نعمان نے خطاب کیا اور راقم الحروف نے بھی کچھ معروضات پیش کیں۔ مقررین نے پاکستان کے نظریاتی تشخص کے تحفظ اور عقیدہ ختم نبوت و ناموس رسالت کی پاسداری کے عزم کی تجدید کی۔

جبکہ ۲۳؍ستمبر ہفتہ کو اپنے آبائی شہر گکھڑ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے زیر اہتمام منعقدہ 'تحفظ ختم نبوت سیمینار'' میں حاضری زندگی کا ایک خوشگوار تجربہ ثابت ہوئی۔ پاکستان پیپلز پارٹی گکھڑ کے صدر میاں راشد طفیل کے والد گرامی میاں محمد طفیل مرحوم مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیریؒ کے حلقہ احباب میں شامل اور تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد میں ان کے سرگرم معاون تھے۔ جبکہ میاں محمد طفیل مرحوم کے بڑے بھائی میاں فاضل رشیدی مرحوم پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ارکان میں شمار ہوتے تھے اور ایک عرصہ تک پیپلز پارٹی گوجرانوالہ کے چیئرمین رہے ہیں۔ اور ان کے والد محترم ماسٹر کرم دین مرحوم میرے والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ اس حوالہ سے یہ خاندان پاکستان پیپلز پارٹی میں متحرک ہونے کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں شروع سے ہمارا معاون چلا آ رہا ہے۔

میاں راشد طفیل نے چند روز قبل مجھے بتایا کہ وہ گکھڑ میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں سیمینار منعقد کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں تو بے حد خوشی ہوئی اور حاضری کا وعدہ کر لیا۔ وہاں حاضر ہو کر پتہ چلا کہ یہ کوئی رسمی سا پروگرام نہیں بلکہ باقاعدہ ''کل جماعتی ختم نبوت کانفرنس'' تھی جو ایک بڑے شادی ہال میں منعقد ہوئی جس میں پورے علاقہ سے مختلف مذہبی مکاتب فکر اور سیاسی جماعتوں کے راہنما و کارکن بڑی تعداد میں شریک تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی اور ضلعی قیادت بھی موجود تھی، پارٹی کے صوبائی صدر جناب قمر الزمان کائرہ مہمان خصوصی تھے اور ان کے علاوہ جناب تنویر اشرف کائرہ، میاں اظہر حسن ڈار، چودھری محمد اشرف سندھو، راؤ اکرام علی خان اور دیگر پارٹی راہنما بھی شریک محفل تھے۔ مختلف مکاتب فکر کے راہنماؤں میں مولانا شاہ نواز فاروقی، مولانا پروفیسر عبد الرحمان جامی، مولانا قاری محمود اختر عابد، مولانا فہیم الرحمان، قاری خالد محمود اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔

میں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی اور ضلعی قیادت کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی مسئلہ کے حل میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور دیگر راہنماؤں کے کردار کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور کہا کہ پاکستان کو دستوری طور پر اسلامی ریاست کا درجہ دینے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ختم نبوت کے مسئلہ کو حل کرنے میں بھٹو مرحوم اور ان کی پارٹی کا کردار بہت اہم ہے جو تاریخ کا حصہ ہے۔ اور صرف ایک بار نہیں بلکہ دوسری بار پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ہی پورے دستور پر نظر ثانی کے دوران ان فیصلوں کا تحفظ کر کے اور انہیں بعینہ برقرار رکھ کر پاکستان کے اسلامی تشخص کے تسلسل اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے پارلیمنٹ نے پوری قوم کی طرف سے اس موقف کی جو تجدید کی تھی اس کا سہرا بھی پاکستان پیپلز پارٹی کے سر ہے۔

مگر آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان قومی فیصلوں کو بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔ قادیانیوں نے

ان فیصلوں کو آج تک تسلیم نہیں کیا بلکہ بین الاقوامی فورمز پر وہ ان دستوری اور جمہوری فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے ان کے خلاف مورچہ بندی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ دستور پاکستان کی اسلامی اساس اور دفعات کو بھی مختلف دائروں میں چیلنج کیا جارہا ہے۔اس لئے ہم پاکستان پیپلز پارٹی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان اہم قومی، جمہوری اور دستوری فیصلوں کے تحفظ کے لئے بھی سرگرم کردار ادا کرے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر جناب قمر الزمان کائرہ نے اس حوالہ سے پرمغز اور بامقصد گفتگو کی جس سے مجھے یہ اطمینان ہوا کہ پارٹی میں ایسے حضرات موجود اور مؤثر ہیں جو ان مسائل کا ادراک رکھتے ہیں اور انہیں حل کرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ کائرہ صاحب نے ملکی و عالمی صورتحال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ ہمیں ایک ملت اور قوم کے طور پر وطن عزیز اور عالم اسلام کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنا ہوگا اور گروہی و فرقہ وارانہ تقسیم سے بالاتر ہو کر قومی جذبہ کے ساتھ ملی وحدت اور قومی سلامتی کے لئے کام کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وہ دستور پاکستان کے اسلامی تشخص اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے قانون کے خلاف مختلف حلقوں میں جاری منفی سرگرمیوں سے آگاہ ہیں اور قوم کے ان تاریخی فیصلوں کی پاسداری کے لئے کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دیگر راہنماؤں نے بھی اپنے خطابات میں اسی قسم کے جذبات پیش کیے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ گکھڑ کی پیپلز پارٹی نے ایک اہم دینی و قومی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس مشترکہ سیمینار کا اہتمام کیا ہے۔ سیمینار میں پاکستان مسلم لیگ (ن) گکھڑ کے صدر اور بلدیہ گکھڑ کے چیئرمین میر مظہر بشیر نے علالت کے باعث اپنے نمائندہ کے ذریعے سیمینار کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا اور اس اہم سیمینار کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔

(روزنامہ اسلام لاہور، ۲۶ ستمبر ۲۰۱۷ء)

مولانا محمد احمد میاں علی ڈوگراں کا سانحۂ ارتحال

مولانا محمد احمد میاں علی ڈوگراں ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ پوری زندگی عقیدہ ختم نبوتؐ کی حفاظت اور چوکیداری میں گزار دی۔ تقسیم سے پہلے مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے اور پاکستان بننے کے بعد جب ''مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان'' معرض وجود میں آئی تو مجلس سے وابستگی اختیار کرلی۔ اصلاحی تعلق خانقاہ عالیہ قادریہ شیرانوالہ لاہور سے تھا۔ حضرت لاہوریؒ کے بعد حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ حضرت انورؒ کی وفات کے بعد بھی اپنے پیرخانہ کو نہیں چھوڑا۔

حضرت مرشد اول چونکہ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے بانی امیر تھے اور مرشد ثانی حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ بھی جمعیت کے صوبائی امیر، مرکزی نائب امیر اور آخر میں مرکزی امیر کے طور پر جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے۔ راقم جب لاہور میں مبلغ تھا تو مولانا لاہور کے مضافات میں کوٹ عبدالمالک کی فاروقیہ مسجد میں مہینہ کے کچھ جمعے پڑھاتے تھے۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خوشہ چین حضرات میں سے تھے۔ اپنی تقاریر، مجالس اور محافل میں شاہ جیؒ کا نام بڑی والہیت سے لیتے۔ ایک واقعہ مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ جیؒ کے در دولت پر ملتان حاضری ہوئی۔ مجھے ملتانی کھسہ پہننے کا بہت شوق تھا۔ میں نے شاہ جیؒ سے اپنے اشتیاق کا تذکرہ کیا۔ شاہ جیؒ نے کسی ساتھی کو بھیج کر ایک موچی کو بلوایا۔ جس نے میرے پاؤں کی ناپ لی اور اس نے وعدہ کیا کہ جب کھسہ (جوتا) تیار ہوجائے گا تو شاہ جیؒ کو اطلاع کردوں گا۔ دریں اثنا میں نے کہا کہ اماں جی! نے آپ کے لئے دیسی گھی تیار کیا ہوا تھا اور فرما رہی تھیں کہ گھی لیتے جائیں لیکن آتے ہوئے یاد نہیں آیا۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کوئی حرج نہیں گھی آجائے گا، جب کھسہ تیار ہوا تو شاہ جیؒ نے خط لکھا:

''عزیزی مولوی محمد احمد سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا گھی پہنچادیں، آپ کے لئے جوتے تیار ہیں۔

والسلام

عطاء اللہ شاہ بخاری۔''

مرحوم یہ واقعہ بہت لطف کے ساتھ بیان فرماتے۔ مرحوم کے ایک فرزند ارجمند مولانا عبدالہادیؒ تھے جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت شیخوپورہ کے امیر بڑے جی دار اور دبنگ انسان تھے۔ جوانی میں انتقال فرمایا۔ ایک عرصہ تک ان کی جدائی کا صدمہ سوہان روح بنا رہا۔

مرحوم جب تک تندرست رہے چناب نگر کانفرنس میں شرکت فرماتے رہے، کچھ عرصہ سے علیل چلے آرہے تھے۔ ۱۸؍ اگست شام کو ۱۰۴ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اگلے روز ۱۹؍ اگست کو جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاذ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کی اقتدا میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں سینکڑوں سے متجاوز علماء کرام، حفاظ، قرا اور دیندار عوام نے ان کی نماز جنازہ ادا کی اور انہیں میاں علی ڈوگراں کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام

(۴)

حافظ عبیداللہ

مرزا قادیانی کے بیٹے اور مرزائی مصلح موعود مرزا محمود نے اپنی کتاب میں عنوان قائم کیا "انجیل میں آپ کا نام محمد آیا ہے" اور پھر کہا:

"...... کیونکہ انجیل تو صریح محمد نام سے آپ کی خبر دیتی ہے...... الخ"

(انوار خلافت، انوار العلوم، جلد 3 صفحہ 89)

لیجئے! قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت احمد نام سے ہے اور باپ بیٹے کا یہ کہنا ہے کہ انجیل میں صریح نام محمد (صلی اللہ علیہ) بھی مذکور ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دونوں ناموں (احمد و محمد) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی، اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفرض مرزا غلام احمد کے بارے میں خبر دی ہوتی تو اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر حدیث میں اس کا صفاتی نام عیسیٰ بن مریم بیان ہوا تھا تو (انجیل کی طرح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم میں صریح نام غلام احمد قادیانی بھی درج ہونا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمد" انجیل میں درج ہے، جو دنیا کا کوئی مرزائی تاقیامت ثابت نہیں کرسکتا، رہی مرزا قادیانی کی اپنی بات اور اپنے الہاموں کی کہانی تو وہ لائق التفات نہیں کیونکہ اس کے اپنے اصول کے مطابق جو ایک بات میں جھوٹا ثابت ہوجائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا (چشمہ معرفت، رخ 23، صفحہ 231) اور مرزا تو بے شمار باتوں میں جھوٹا ثابت ہوچکا، ہاں اگر جماعت مرزائیہ قرآن وحدیث کی کوئی نص پیش کردے جس میں ہو کہ غلام احمد بن چراغ بی بی کا صفاتی نام عیسیٰ بن مریم ہے تو اس پر غور ہوسکتا ہے۔

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مرزائی خلیفہ مرزا محمود نے سورۃ الصف کی اس آیت جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے احمد نام کے نبی کی بشارت دی ہے تحریف معنوی کرتے ہوئے انتہائی دجل کا ثبوت دیتے

> قادیانیوں کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں بائبل کے حوالے پیش کریں۔ مرزا قادیانی نے لکھا تھا: "غرض یہ چاروں انجیلیں جو یونانی سے ترجمہ ہوکر اس ملک میں پھیلائی جاتی ہیں ایک ذرہ بھی قابل اعتبار نہیں۔"

ہوئے کہا ہے کہ:

"اسمہ احمد کی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت مسیح موعود (ظلی اور جعلی۔ ناقل) کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ احمد نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کے سوا کسی اور شخص کو احمد کہنا آپ کی ہتک ہے، لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں میرا یقین بڑھتا جاتا ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ احمد کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے وہ حضرت مسیح موعود (یعنی ظلی مسیح غلام احمد قادیانی۔ ناقل) کے متعلق ہی ہے۔" (انوار خلافت، انوار العلوم، جلد 3 صفحہ 83)

مرزا محمود نے یہ بات کہہ کر اپنے باپ اور اپنے نبی مرزا غلام احمد کو بھی غلط ثابت کیا ہے کیونکہ مرزا قادیانی نے سورۃ الصف کی اس آیت میں "احمد" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی لئے ہیں اور صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں ایک محمد اور دوسرا احمد، اور پھر احمد نام ثابت کرنے کے لئے سورۃ الصف کی یہی آیت پیش کی ہے۔ (دیکھیں اربعین نمبر 4، رخ 17، صفحہ 443)

ایلیاء نبی سے مراد یوحنا، بائبل کے ایک جھوٹ سے مرزائی استدلال

اسی طرح جماعت مرزائیہ بائبل کی ایک کہانی پیش کرتی ہے اور کہتی ہے کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے نبیوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ مسیح اس وقت تک نہیں آئیگا جب تک ایلیاء نبی (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام) دوبارہ نہ آجائیں، تو جب حضرت مسیح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہودیوں کے علماء نے آپ سے یہی سوال کیا کہ آپ سے پہلے تو ایلیاء نبی کو آنا تھا جو کہ ابھی تک نہیں آئے لہٰذا آپ وہ مسیح نہیں ہوسکتے جن کا انتظار ہے، تو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ایلیاء تو آچکا ہے اور یوحنا (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی طرف

اشارہ فرمایا کہ یہی ہے وہ ایلیاء جسے مجھ سے پہلے آنا تھا، تو قادیانی کہتے ہیں کہ جس طرح وہاں پیش گوئی تھی ایلیاء کے آنے کی لیکن اس سے مراد یوحنا نبی لئے گئے، بالکل اسی طرح احادیث میں جو عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد بھی عیسیٰ علیہ السلام بذات خود نہیں بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔"

دوستو! یہاں بھی قادیانیوں کی طرف سے حسب عادت صرف آدھی بات پیش کی جاتی ہے، بائبل میں یہ کہانی صرف اس قدر نہیں بلکہ اس کے آگے کچھ اور بھی لکھا ہے جسے مرزائی مربی پیش نہیں کرتے، آیئے ہم آپ کو پوری کہانی بتاتے ہیں۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ موجودہ بائبل میں (جو کہ ہمارے لئے ذرہ برابر بھی قابل اعتماد نہیں، بلکہ خود مرزا قادیانی نے بھی اسے تحریف شدہ لکھا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا) یہ بات موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یوحنا نبی (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے بارے میں کہا کہ یہ ہیں وہ ایلیاء جنہوں نے مجھ سے پہلے آنا تھا (یہ بات انجیل متی باب 11 آیات 13 تا 15، اسی طرح باب 17 آیات 10 تا 13 میں بیان ہوئی ہے)، لیکن اسی بائبل میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی حضرت مسیح کا یہ جواب سن کر یوحنا نبی (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا کہ کیا واقعی آپ وہ ایلیاء ہیں جنہوں نے آنا تھا؟ تو انہوں نے صاف طور پر اس کا انکار کیا اور کہا کہ میں ایلیاء نہیں ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

"19: یروشلم شہر کے یہودی بزرگوں نے بعض کاہنوں اور لاویوں کو یوحنا کے پاس بھیجا تاکہ وہ اُس سے پوچھیں کہ وہ کون ہے۔ 20: یوحنا نے صاف صاف اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ 21: انہوں نے اُس سے پوچھا پھر تُو کون ہے؟ کیا تو ایلیاء ہے؟ یوحنا نے جواب دیا میں وہ بھی نہیں۔ پھر پوچھا کیا تُو وہ نبی ہے؟، اُس نے جواب دیا: نہیں..." (یوحنا کی انجیل، باب 1، آیات 19 تا 21)

اس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ جب حضرت یوحنا سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ ایلیاء ہیں؟ تو انہوں نے صاف طور پر اس کا انکار کیا، اب ایک طرف بائبل کہتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یوحنا نبی کے بارے میں کہا کہ یہی ایلیاء ہیں، دوسری طرف اسی بائبل کے مطابق حضرت یوحنا اپنے ایلیاء ہونے کا انکار کرتے ہیں، لہٰذا اگر بائبل کی اس کہانی کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اللہ کے دو نبیوں میں سے کسی ایک کو (نعوذ باللہ) جھوٹا تسلیم کرنا پڑے گا، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ سارا افسانہ جھوٹ ہے، نہ تو کسی نبی نے ایلیاء نبی کے دوبارہ آنے کی خبر دی تھی اور نہ کسی نے حضرت یوحنا کو ایلیا قرار دیا۔

یہ بات خود مرزا قادیانی نے بھی بیان کی ہے، ایک جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر بات کرتے ہوئے اور ان کی ذات اقدس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اور پھر پہلے نبیوں نے مسیح کی نسبت پیش گوئی کی تھی کہ وہ نہیں آئے گا جب تک کہ الیاس (یعنی ایلیاء.....ناقل) دوبارہ دنیا میں نہ آجائے مگر الیاس نہ آیا۔ اور یسوع ابن مریم نے یونہی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کردیا حالانکہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہ آیا۔ اور جب پوچھا گیا تو الیاس موعود کی جگہ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو الیاس ٹھہرادیا۔ تا کسی طرح مسیح موعود بن جائے حالانکہ پہلے نبیوں نے آنے والے الیاس کی نسبت ہرگز یہ تاویل نہیں کی اور خود یوحنا نبی نے الیاس سے مراد وہی الیاس مراد رکھا جو دنیا سے گذر گیا تھا۔ مگر مسیح نے اپنی بات بنانے کے لئے پہلے نبیوں اور تمام راستبازوں کے اجماع کے برخلاف الیاس آنے والے سے مراد یوحنا اپنے مرشد کو قرار دے دیا اور عجیب یہ کہ یوحنا اپنے الیاس ہونے سے خود منکر ہے۔ مگر تاہم یسوع ابن مریم نے زبردستی اس کو الیاس ٹھہرا ہی دیا۔" (نصرۃ الحق، رخ 21، صفحات 42، 43)

آپ نے دیکھا خود مرزا قادیانی بھی بائبل کے اس بیان کا مذاق اڑا رہا ہے، لہٰذا مرزا قادیانی کے امتیوں کو بائبل کی اس کہانی سے سہارا نہیں مل سکتا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بائبل کے بارے میں مرزا قادیانی کی رائے بھی لکھ دی جائے اور قادیانیوں کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں بائبل کے حوالے پیش کریں، مرزا قادیانی نے لکھا تھا:

"غرض یہ چاروں انجیلیں جو یونانی سے ترجمہ ہوکر اس ملک میں پھیلائی جاتی ہیں ایک ذرہ بھی قابل اعتبار نہیں۔"

(تریاق القلوب، رخ 15، صفحہ 142)

"بلکہ سچ تو یہ بات ہے کہ وہ کتابیں (یعنی کتب سابقہ تورات وانجیل وغیرہ۔ ناقل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک ردی کی طرح ہوچکی تھیں اور بہت سے جھوٹ ان میں ملائے گئے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرف مبدل ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہیں۔"

(چشمہ معرفت، رخ 23، صفحہ 266)

(جاری ہے)

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر

آج کل جدیدیت کا دور ہے، عصری اداروں کا پروردہ ہر چیز میں جدت کا متقاضی ہے، اس چیز کو دیکھتے ہوئے کئی ایک ملحدین اور متجددین نے تفسیر بالرائے کو اپنا وطیرہ بنایا اور وہ تفسیریں عصری علوم کے حاملین وطالبین کے نظر میں پسندیدگی کی سند لینے لگی، جس سے سادہ لوح مسلمان بھی ان کے دام تزویر میں آنے لگے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا فضل محمد صاحب (استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) نے ان تمام ملحدین اور متجددین کی تفسیروں کو سامنے رکھ کر قرآن وسنت کی نصوص، صحابہ کرامؓ کے اقوال اور ائمہ مجتہدین کی تصریحات کی روشنی میں ان کے ابطال اور ان کی تفسیر بالرائے کے نقصانات کو واضح فرمایا۔ چونکہ یہ مضمون اپنے موضوع کی بناء پر طویل ہو گیا تو انہوں نے اس کا نام "معتمد اور غیر معتمد تفاسیر" رکھ کر اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ افادۂ عام کی غرض سے اس مضمون کو قسط وار ہفت روزہ "ختم نبوت" میں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

(۴۲) حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہ

حمید الدین فراہی اور رمی جمرات

سورت الفیل کی تفسیر میں حمید الدین فراہی صاحب نے بلاوجہ رمی جمرات کو محل بحث بنایا ہے اور اس میں جمہور کے راستے سے الگ ہو کر رمی جمرات کا عجیب پس منظر پیش کیا ہے آپ نے اپنی تفسیر میں سورت فیل کے ذیل میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔

منیٰ میں رمی جمرہ کی حقیقت

رمی جمرات کے بارے میں حمید الدین فراہی صاحب کا موقف یہ ہے کہ موسم حج میں حجاج کرام جو جمرات پر کنکریاں مارتے ہیں یہ عربوں کی اس سنگ باری کی سنت ہے جو انہوں نے ابرہہ کے لشکروں پر پتھر برسائے تھے وہ لکھتے ہیں: "بہت سے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ منیٰ میں رمی جمرہ واقعہ فیل ہی کی یادگار ہے لیکن ضعیف روایات نے اس حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ مینڈھا حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے چھوٹ بھاگا انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور پھر پکڑ لیا اس کے بعد سے یہ رمی کی سنت قائم ہوئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جس وقت انہوں نے بیٹے کی قربانی کا قصد کیا تو شیطان نے ان کو بہکانا چاہا اس وقت انہوں نے اس کو کنکریاں ماریں تو رمی جمرہ کی سنت اس واقعہ کی یادگار ہے۔ (تفسیر نظام القرآن ص:۵۰۹)

علامہ فراہی مزید لکھتے ہیں لیکن صحیح روایات میں سنت رمی جمرہ کی اصل کا کوئی ذکر نہیں ہے اس وجہ سے ہم نے استنباط کی راہ اختیار کی ہے صحیح وثابت چیزوں سے استنباط اس صریح روایت سے زیادہ بہتر ہے جو ثابت نہ ہو۔

استنباط نمبر۱: کلام جاہلیت میں رمی جمرات کا کوئی ذکر نہیں لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ (تفسیر نظام القرآن ص:۵۱۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نئی چیز ہے جو واقعہ فیل کے بعد وجود میں آئی ہے۔

> جب روایات کی ایک بنیاد موجود ہے چاہے کمزور ہی ہو لیکن امت نے سلفاً وخلفاً اس کو قبول کیا ہے تو فراہی صاحب کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو غلط کہہ دیں اور اپنے مفروضوں کو مسلط کریں۔

استنباط نمبر۲: چونکہ ابرہہ کی فوج محسر میں تھی اور وہ مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی اس وجہ سے لازماً اس کا مقدمۃ الجیش محصب میں رہا ہوگا جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں اس قدر تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات بہت لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ سنت رمی عربوں کی اس سنگساری کی یادگار ہو جو انہوں نے ابرہہ کے مقدمۃ الجیش یا اس کے ہاتھیوں پر کی تھی اور جس کے پردہ میں خدا نے آسمان سے ان پر سنگباری کی۔ (ص:۵۱۲)

استنباط نمبر۳: اگر رمی کی اصل وہ ہوتی جو لوگوں نے سمجھی ہے یعنی شیطان کو سنگسار کرنا، تو قربانی رمی سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے یا چوتھے دن ہونی چاہئے تھی حالانکہ قربانی رمی کے پہلے ہی دن ہوتی ہے پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شیطان دوسرے اور تیسرے دن کیوں سنگسار کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کو واقعہ فیل کی یادگار مانا جائے تو تمام گتھیاں آپ سے آپ سلجھ جاتی ہیں۔

(وہ اسطرح کہ) ابرہہ کی فوج پر پہلے روز جو سنگباری ہوئی ہوگی اس سے ایک حد تک فوج آگے بڑھنے سے رک گئی ہوگی لیکن ابھی کچھ دم خم باقی رہا ہوگا اس وجہ سے دوسرے دن مکہ پر حملہ کرنا چاہا ہوگا لیکن حجاج نے آگے بڑھ کر پھر پتھراؤ کر کے روک دیا ہوگا یہی واقعہ تیسرے روز بھی پیش آیا ہوگا یہاں تک کہ حجاج کی سنگ باری نے اور دست غیب نے پوری فوج کو بالکل پامال کر دیا۔ (تفسیر نظام القرآن ص:۵۱۳)

استنباط نمبر۴: جس ستون پر پہلے روز رمی کی جاتی ہے وہ سب سے بڑا ہے اور فوج کے حالات کے

لحاظ سے یہی ہونا بھی چاہئے (یعنی فوج بڑی تھی تو ستون بھی بڑا لگا دیا گیا) (پھر) پہلے دن کی شکست اور پامالی نے مقدمۃ الجیش کے حملہ آوروں کی تعداد بہت گھٹادی ہوگی اس وجہ سے ضروری ہوا کہ دوسرے ستون کا حجم پہلے کے مقابلہ میں کم ہو کہ واقعہ کی پوری تصویر یادگار کے آئینہ میں محفوظ رہے ان باتوں کو شیطان کے حالات سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی جو شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہکانے آیا تھا اس کی یادگار میں یہ ترتیبی تفاوت بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر نظام القرآن ص:۵۱۳)

استنباط نمبر ۵: رمی کے وقت جس شخص کا تصور یہ ہوگا کہ وہ شیطان کو کنکریاں مار رہا ہے وہ اپنے دل میں کوئی خاص جذبہ یا کوئی خاص جوش محسوس نہیں کریگا وہ جانتا ہے کہ وہ یہ کنکریاں ایک پتھر پر پھینک رہا ہے ہاں اگر اس رمی کو واقعہ اصحاب فیل کی یادگار سمجھا جائے تو اس صورت میں ہمارے تصورات کا رخ بالکل دوسرا ہوگا (یعنی یہ تصور ہوگا کہ ہم نے ایک طاقتور دشمن کو تباہ و برباد کردیا اور اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اب ہم فتح کا اظہار کررہے ہیں)۔

تبصرہ:

سب سے پہلے تو فراہی صاحب نے یہ نقصان کیا کہ رمی جمرات کے بارے میں جمہور کے مشہور شاہراہ کو چھوڑ کر الگ تھلگ پگڈنڈیوں میں گھسنا شروع کردیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ آج کل جو ہم کنکریاں مارتے ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کی یادگار نہیں ہے بلکہ یہ ان عربوں کی یادگار ہے جنہوں نے ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسائے تھے اول تو انہوں نے یہ غلطی کی کہ ابرہہ پر ابابیل کی سنگ باری کے بجائے قریش اور اہل مکہ کی سنگ باری قرار دیدی دوسری غلطی یہ کی کہ قرآن کی نص صریح "ترمیھم" سے انحراف کیا اور کہا کہ اس میں ضمیر مؤنث طیرا کے بجائے قریش کی طرف راجع ہے حالانکہ پوری سورت فیل میں قریش کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تیسری غلطی یہ کی کہ کنکریوں کے پس منظر میں جو روایات منقول ہیں اس کو ضعیف کہہ کر مسترد کردیا اور پھر کہہ دیا کہ اب میں استنباط کر کے ثابت کروں گا کہ سنگ باری کس کی طرف سے ہوئی تھی پھر کبھی کہتا ہے کہ عربوں کی طرف سے ہوئی تھی کبھی کہتا ہے کہ آسمان سے ہوا کے ذریعہ سے ہوئی کبھی کہتا ہے کہ اس وقت کے حاجیوں نے یہ سنگ باری کی تھی چنانچہ فراہی صاحب نے اس موقع پر آٹھ استنباطات لکھدیئے ہیں جن میں سے میں نے صرف پانچ کا ذکر کیا ہے پھر فراہی صاحب کا ان قیاسات کو استنباط کہنا بھی محل نظر ہے یہاں ان کی طرف سے مفروضوں پر مبنی قیاسات ہیں کسی چیز سے استنباط کی کوئی صورت نہیں ہے صرف اپنے دماغی خیالات کو ذکر کیا ہے کہ ایسا ہوا ہوگا ویسا ہوا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جب روایات کی ایک بنیاد موجود ہے چاہے کمزور ہی ہو لیکن امت نے سلفاً وخلفاً اس کو قبول کیا ہے تو فراہی صاحب کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو غلط کہہ دیں اور اپنے مفروضوں کو مسلط کریں آخر فراہی صاحب کے پاس بھی کوئی دلیل تو ہونی چاہئے تھی۔ اب میں ان روایات کا ترجمہ نقل کرنا چاہتا ہوں جو رمی جمرات کے بارے میں منقول ہیں:

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ میں قربان گاہ کی طرف لے جارہے تھے تو ابلیس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ایک بار وسوسہ ڈالا (کہ خواب کی بنیاد پر بیٹے کو کیسے ذبح کرتے ہو؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اس کے بعد ابلیس غائب ہوگیا پھر دوسرے اور تیسرے مقام پر نمودار ہوگیا وہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماردیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اس عمل کو حاجیوں کے لئے بطور یادگار رکھا اب حاجیوں کی طرف سے شیطان سے نفرت اور رحمان سے عقیدت کی بنیاد پر یہ پتھر مارے جاتے ہیں۔ (مرقات ملا علی قاری بحوالہ تحفۃ المنعم شرح مسلم ج۴ ص:۲۲۶)

مجمع الزوائد ج۸ ص:۲۲۰ باب رمی الجمار میں ابوالطفیل سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کی قوم کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا مروہ کے درمیان سعی فرمائی تھی اور یہ سنت ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میری قوم نے سچ کہا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حج کے احکام بجالانے کا حکم ہوا تو صفا مروہ کے درمیان سعی کے دوران شیطان نمودار ہوا اور سعی میں ابراہیم علیہ السلام سے آگے نکلنے کی کوشش کی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے آگے نکل گئے پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم کو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان نمودار ہوا حضرت ابراہیم نے اس کو سات کنکریاں ماردیں تو شیطان غائب ہوگیا پھر شیطان جمرۂ وسطیٰ کے پاس حضرت ابراہیم کے سامنے آیا حضرت ابراہیم نے وہاں بھی شیطان پر سات کنکریاں ماردیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل پچھاڑ دیا۔ پھر حضرت جبرئیل امین حضرت ابراہیم کو جمرہ قصویٰ یعنی دور والی تیسری جمرہ کے پاس لے گئے وہاں پھر شیطان نمودار ہوگیا حضرت ابراہیم نے وہاں بھی شیطان کو سات کنکریاں ماردیں: رواہ احمد والطبرانی ورجالہ ثقات یعنی مسند احمد اور طبرانی نے اس روایت کو ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص:۲۲۱)

(جاری ہے)

رانا تاج احمد نون کی وفات

رانا تاج احمد نون نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل شجاع آباد کے علاقہ کے معروف زمیندار رانا سلطان احمد نون کے گھر آنکھ کھولی۔ والد محترم نے انہیں حفظ قرآن پر لگادیا۔ نیز اسکول کی بھی تعلیم واجبی سی تھی۔ مرحوم کی شادی علاقہ کے ایک اور معروف زمیندار رانا شفیع احمد نون کے گھر ہوئی تو آبائی طور پر واجبی سے زمینداری تھی۔ سسرال کی طرف سے خاصی زمین حصہ میں آئی۔ سیاسی زندگی کا آغاز ایوب خان کی بی ڈی ممبری سے کیا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے الیکشن میں حصہ لیا۔ سابق وزیراعظم جناب سیّد یوسف رضا گیلانی کے چچا سیّد حامد رضا گیلانی نے پاکستان مسلم لیگ کی طرف سے اور ہمارے حضرت بہاولیؒ نے جمعیت علماء اسلام کی طرف سے الیکشن میں حصہ لیا۔ ہمارے حضرت بہاولیؒ سفید پوش آدمی تھے۔ بایں ہمہ ہمارے حضرت نے پینتیس ہزار ووٹ لئے، اصل مقابلہ جمعیت اور پی پی کا تھا۔ رانا صاحب بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگئے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جب قومی اسمبلی نے متفقہ آئینی ترمیم کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو رانا صاحب نے بھی آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ دیا۔ ۱۹۷۷ء کا الیکشن دھاندلی کا شکار ہوگیا، بعدازاں موصوف ایک آدھ الیکشن میں کھڑے ہوئے لیکن کامیابی کا سہرا کسی اور کے سر سجا۔ جب تک موصوف پیپلز پارٹی میں متحرک رہے تو ملاقاتیں نہ ہونے کے برابر تھیں بعدازاں جب بوڑھاپے کی جانب قدم رکھا اور نئے نئے لیڈر میدان میں آئے تو موصوف نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی تو ان سے کئی ایک ملاقاتیں ہوئیں۔ خوش اخلاقی سے پیش آتے، ہمارے حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے گہرا تعلق رہا۔ ایک ملاقات میں موصوف نے بتایا کہ تقسیم کے پہلے بڑے بڑے زمینداروں کے پاس سواری کے لئے تانگے ہوتے تھے تو میں نے بھی نیا تانگہ بنوایا اور حضرت قاضی صاحبؒ سے درخواست کی کہ میں نے تانگے کا افتتاح شاہ جی امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کرانا ہے تو قاضی صاحب جو مجھے محبت سے ''تاجو'' کہا کرتے تھے۔ فرمایا: تاجو فلاں دن میں نے ملتان شاہ جیؒ کی خدمت میں جانا ہے، آپ بھی میرے ساتھ چلیں تو شاہ جیؒ سے درخواست کریں گے تو کہنے لگے کہ ہم شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قاضی صاحبؒ نے عرض کیا: شاہ جی! یہ میرا بیٹا ہے، ''تاجو'' اس نے تانگہ بنوایا ہے اور افتتاح آپ سے کرانا چاہتا ہے، کوئی وقت عنایت فرمائیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ آپ میری ڈائری دیکھ لیں جو تاریخ فارغ ہو لکھ لیں، تو قاضی صاحبؒ نے تاریخ نوٹ فرمادی۔ چنانچہ شاہ جیؒ کو ریلوے اسٹیشن سے اپنے تانگے پر لایا اور شاہ جیؒ نے کھانا بھی میرے ہاں تناول فرمایا۔ عشاء کی نماز کے بعد گیٹ سیّدنا علی المرتضیٰ (چونا کا گیٹ) کے باہر سبزی منڈی میں جلسہ تھا، جب شاہ جیؒ نے تلاوت شروع کی تو سناٹا طاری ہوگیا، چاروں طرف ہندوؤں کے مکانات تھے، ہندو مرد اور عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں اور بالا خانوں پر کھڑے ہوکر شاہ جیؒ کا قرآن سن رہے تھے تو قاضی صاحبؒ کی نگاہ ہندوؤں پر پڑی تو قاضی صاحبؒ نے فرمایا: ''تاجو دیکھ! ہندو کتنی توجہ سے میرے پیر کی تلاوت سن رہے ہیں۔'' جب تک قاضی صاحبؒ زندہ رہے ان سے نیازمندی کا تعلق رہا۔ قاضی صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے جانشین مولانا قاضی عبداللطیف اخترؒ سے نیازمندی تو نہ تھی، لیکن تعلق بہرحال رہا۔ اگرچہ سیاسیات کی وجہ سے تعلقات، نشیب وفراز کا شکار رہے۔ میرے استاذ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالعزیز شجاع آبادیؒ سے تعلق رہا۔ خطیب العصر حضرت مولانا سیّد عبدالمجید ندیم شاہؒ اور مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ بھی آپ کی دعوت پر تشریف لاتے رہے۔ اپنی آبائی زمین کا کچھ حصہ مسجد ومدرسہ کے لئے وقف کیا، بستی مٹھو کی جامع مسجد تعمیر کرائی اور امام وخطیب کے وظائف بھی جاری کئے۔ ماہنامہ لولاک کے باقاعدہ خریدار تھے۔ میرے ایک عزیز ملک محمد شفیع فوجی رانا صاحب کے ملازم ہیں۔ ایک دفعہ ملنے کے لئے گیا تو کہنے لگے: اپنے بھائی سے پوچھو کہ میں ماہنامہ لولاک کس طرح پڑھتا ہوں۔ میں نے ملک محمد شفیع کو ہدایت جاری کی ہوئی ہے کہ جب ماہنامہ لولاک آئے تو جب تک میں مکمل نہ پڑھ لوں، ماہنامہ لولاک کسی اور کو دیکھنے اور کھولنے کی اجازت نہیں۔

۱۹۷۰ء سے ہم رانا صاحب کے مخالف کیمپ میں رہے، لیکن کبھی کوئی سخت گفتگو نہیں کی اور نہ ہی زمیندارہ دھونس دھاندلی دکھائی۔ جب بھی ملاقات ہوتی محبت سے ملتے۔ عزیزی قاری ابوبکر صدیق سلمہ کی زبانی رانا صاحب کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۹ ستمبر ۲۰۱۷ء کو انتقال ہوا، اسی شام عصر کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں سینکڑوں حضرات نے شرکت کی۔ جس میں سیاسی لیڈرز، ورکرز، علماء کرام، مشائخ عظام اور علاقائی مسلمانوں نے شرکت کرکے ان سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور انہیں ان کی قائم کردہ جامع مسجد اقصیٰ لوہاری گیٹ شجاع آباد میں سپرد خاک کیا گیا۔ موصوف کی عمر ۱۰۵ سال تھی۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

سلام زندہ باد
فرما گئے یہ ہادی لا نبی بعدی
تاجدار ختم نبوت زندہ باد
بمقام
مسلم کالونی
چناب نگر
ختم نبوۃ کانفرنس
ان شاء اللہ
36 ویں
دو روزہ
سالانہ
عظیم الشان
بتاریخ
بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہو رہی ہے
19 20 اکتوبر 2019 بروز جمعرات جمعۃ المبارک
2017
عنوانات
توحید باری تعالیٰ
سیرت خاتم الانبیاء ﷺ
عقیدہ ختم نبوۃ
حیات عیسیٰ علیہ السلام
عظمت صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم
اتحاد امت
پاکستان کی نظریاتی و جغرافیائی حدود کا تحفظ
اور ظہور مہدی علیہ الرضوان
جیسے اہم موضوعات پر علماء کرام مشائخ عظام قائدین دانشور اور قانون دان خطاب فرمائیں گے
اہل اسلام سے شرکت کی درخواست ہے
زیر صدارت
مولانا عبدالرزاق اسکندر
زیر نگرانی
صاحبزادہ خواجہ عزیز احمد صاحب مدظلہ
زیر سرپرستی
مولانا حافظ محمد ناصر الدین خان
شعبہ نشر و اشاعت
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت چناب نگر ضلع چنیوٹ
ملتان 061-4783486
چناب نگر 047-6212611